خوفناک گروہ



بچوں کیلئے فیصل شہزاد کا پُراسرار جاسوسی سیریز ۳

خوفناک گروہ

مظہر کلیم ایم۔اے

یوسف برادرز
پاک گیٹ ملتان شہر

انوارالادب لائبریری

تغلق روڈ ۔ کوٹلہ تولیخان ۔ ملتان

ناشران ـــــــ اشرف قریشی

ـــــــ یوسف قریشی

پرنٹر ـــــــ محمد یونس

طابع ـــــــ ندیم یونس پرنٹرز لاہور

قیمت ـــــــ 8 روپے



انوارالادب لائبریری

تغلق روڈ ۔ کوٹلہ تولیخان ۔ ملتان

فیصل اور شہزاد آجکل دن رات پڑھائی میں مصروف تھے کیونکہ سالانہ امتحانات ہونے والے تھے ڈریکولا بیچارے کی کمبختی آئی ہوئی تھی وہ ہر آدھے گھنٹے بعد چائے بنا کر فیصل کے کمرے میں پہنچاتا اور ہر پندرہ منٹ بعد کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز شہزاد کے کمرے میں پہنچاتا۔ دوسرے لفظوں میں اس کی ایک ٹانگ باورچی خانے میں ہوتی اور دوسری ٹانگ شہزاد اور فیصل کے کمروں میں۔

خدا خدا کرکے امتحانات ختم ہوئے اور نہ صرف فیصل اور شہزاد نے سکون کا سانس لیا بلکہ ڈریکولا کی جان بھی چھوٹ گئی۔ کیونکہ امتحانات ختم ہوتے ہی وہ دونوں سارا دن شہر میں گھومتے پھرتے اور

ظاہر ہے کھانا ہوٹل کا ہی چلتا رہتا۔

آج صبح فیصل ابھی لحاف اوڑھے سویا ہوا تھا کہ کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور شہزاد یوں خوشی سے اچھلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا جیسے اسے دنیا بھر کی دولت مل گئی ہو۔

"ارے ارے کیا ہوا"؟ فیصل نے پریشان ہوکر اٹھتے ہوئے کہا۔

"یار تم بس سوتے ہی رہتے ہو۔ کچھ دنیا کی بھی خبر ہے"؟ شہزاد نے ایک جھٹکے سے لحاف اٹھاکر دور پھینکتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی کیا ہوا ہے کچھ بتاؤگے بھی سہی"؟ فیصل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بھئی شہر میں ایک نیا ہوٹل کھلا ہے۔ سنا ہے کہ اس کا کھانا بے حد لذیذ ہے اور ہمیں آج تک خبر ہی نہیں ہوئی۔ تم کیسے دوست ہو، مجھے ہوٹل کا پتہ ہی نہیں چلا سکتے"؟ شہزاد نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے برا سا منہ بناکر کہا۔

"یعنی تمہارا مطلب ہے کہ اب میں شہر میں گھوم گھوم کر نئے کھلنے والے ہوٹلوں کا پتہ

چلاتا رہوں بس دوستی کا معیار یہی رہ گیا ہے"۔ فیصل نے اٹھکر غسلخانے کا رخ کرتے ہوئے کہا

"بس باتیں بند اور کھانا شروع۔ میرا مطلب ہے کہ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ آج اسی ہوٹل میں ناشتہ کریں گے"؟ شہزاد نے کہا۔

"کمال ہے ابھی تک تم نے ناشتہ بھی نہیں کیا۔ حیرت ہے"۔ فیصل نے گھڑی پر نظریں ڈالتے ہوئے کہا۔

"کہاں ناشتہ کیا ہے۔ ڈریکولا نے پندرہ بیس انڈے بنا دیئے تھے اور آٹھ دس پراٹھے بھی ساتھ تھے پھر کالے نانبائی کے ہاں جاکر نہاری بھی چکھی مگر یار ناشتہ ہماری قسمت میں کہاں ہے؟ بس تم جلدی کرو۔ بھوک کے مارے میرا برا حال ہے"۔ شہزاد نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا

"خدا کی پناہ! ابھی تمہارا ناشتہ نہیں ہوا"۔ فیصل نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"بس تم باتیں ہی کئے جاؤگے۔ اے بندہ خدا جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ کہیں ہوٹل والے ناشتہ ختم ہی نہ کر بیٹھیں"۔ شہزاد نے اٹھکر فیصل کو

غسل خانے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں تیار ہوکر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔

"کس جگہ واقع ہے وہ ہوٹل؟ کیا پیدل جانا پڑے گا"؟ فیصل نے گھر سے نکلتے ہی پوچھا۔

"پیدل کیوں۔ یعنی تمہارا مطلب ہے کہ میں بھوک سے نڈھال ہوکر سڑک پر ہی گر پڑوں۔ نہیں بھئی۔ بھوک میں مجھ سے چلا نہیں جاتا۔ ٹیکسی کر لیتے ہیں"۔ شہزاد نے کہا اور پھر اس نے دور سے آتی ہوئی ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ ان کی خوش قسمتی تھی کہ ٹیکسی خالی ہی تھی۔ چنانچہ وہ ان کے قریب آکر رک گئی۔

"ہوٹل لالہ زار"۔ شہزاد نے اگلی سیٹ پر قبضہ جماتے ہوئے کہا۔ اور ٹیکسی ڈرائیور نے سر ہلاتے ہوئے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

مختلف سڑکوں سے گذرنے کے بعد ٹیکسی ایک عظیم الشان بلڈنگ کے سامنے رک گئی۔ بلڈنگ نئی تعمیر شدہ تھی اور اس کی پیشانی پر ہوٹل لالہ زار کا طویل و عریض بورڈ موجود تھا۔

"بہت بڑا ہوٹل ہے یہ"۔ فیصل نے تعریفی انداز میں بلڈنگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا کرے ناشتہ بھی بہت بڑا ہو اس کا"۔ شہزاد نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور پھر ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ دیکر وہ دونوں مین گیٹ میں داخل ہوگئے۔

ہوٹل کا ہال بے حد وسیع و عریض تھا مگر اس وقت وہ بالکل خالی پڑا ہوا تھا۔ ایک سائیڈ میں بیس کے قریب بڑے بڑے کیبن بنے ہوئے تھے۔

"آؤ کیبن میں بیٹھیں۔ باہر لوگ میرا قلیل سا ناشتہ دیکھ کر مذاق اڑائیں گے"۔ شہزاد نے کہا اور وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ایک کیبن میں گھستے چلے گئے۔

ابھی وہ دونوں بیٹھے ہی تھے کہ ایک بیرہ پردہ اٹھاکر اندر داخل ہوا۔

"جی صاحب"! بیرے نے بڑے مہذب انداز میں سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"ناشتہ لے آؤ"! فیصل نے کہا اور بیرا سر جھکاکر واپس مڑنے لگا۔

"ٹھہرو"! شہزاد نے اچانک اُسے روکتے ہوئے کہا۔

"جی صاحب!" بیرے نے مڑتے مڑتے رک کر کہا۔

"ناشتے میں کیا لاؤ گے؟" شہزاد نے بڑے سادہ لہجے میں پوچھا۔

"توس۔ انڈے اور چائے"۔ بیرے نے ناشتے کے مخصوص اجزا کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"بھئی اس کے لیے تو یہی ناشتہ لے آؤ مگر میرا ناشتہ ذرا سپیشل قسم کا ہوتا ہے"۔ شہزاد نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"جی فرمایئے! آپ کے لیے کیا لے آؤں؟" بیرے نے پوچھا۔

"تمہارے ہاں ناشتے میں مرغا مل سکتا ہے؟" شہزاد نے پوچھا۔

"مرغا اور ناشتے میں"۔ بیرے کے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہو گئے۔

"بھئی میں نے مرغا کہا ہے کوئی ہاتھی گینڈا تو نہیں کہہ دیا۔ جو تم حیران ہو رہے ہو"۔ شہزاد نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"صاحب! مرغا تو لنچ اور ڈنر میں پکتا ہے"۔

بیرے نے اپنی حیرت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"تو ناشتے میں تم چڑیا پکاتے ہو گے۔ بھئی میں نے تمہارے ہوٹل کی بڑی تعریفیں سنی ہیں مگر تم۔ اچھا خیر یہ بتاؤ کہ کوئی چیز پکی ہوئی ہے"۔ شہزاد نے یوں کہا جیسے اس کی تمام اُمیدوں پر اوس پڑ گئی ہو۔

"صاحب! ناشتے میں تو انڈے، توس ہی ہوتے ہیں۔ پکی ہوئی کوئی چیز نہیں"۔ بیرے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا مجبوری ہے تو پھر ایسا کرو کہ سو دو سو توس اور پچاس ساٹھ انڈے ہی لے آؤ۔ گذارہ کر ہی لیں گے اور کیا کریں"۔ شہزاد نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"سو دو سو توس اور پچاس ساٹھ انڈے"۔ اس بار بیرے کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ شہزاد کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اُسے اس کی دماغی صحت پر شک ہو گیا ہو۔

"بھئی جیسے یہ کہہ رہا ہے تم ویسے ہی کرو

اس کا ناشتہ پھر بھی مکمل نہیں ہوگا۔" فیصل نے ہنستے ہوئے کہا اور بیرا حیرت سے سر جھٹکتا ہوا کیبن سے باہر نکل گیا۔

"یار شہزاد! خدا کے لیے اپنی بھوک کا کچھ بندوبست کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شہر میں قحط پڑ جائے یا تمہارا زمیندار باپ زمینیں بیچنے پر مجبور ہو جائے۔" بیرے کے جانے کے بعد فیصل نے شہزاد کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"یار تم صحیح کہہ رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ ناشتہ کرکے کسی حکیم کے پاس چلتے ہیں۔ میں کئی دنوں سے محسوس کررہا ہوں کہ میری بھوک بند ہوگئی ہے۔" شہزاد نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور فیصل سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد بیرا ناشتے سے لدا ہوا اندر داخل ہوا اور میز شہزاد کے ناشتے سے بھر گئی۔

ابھی بیرا سامان میز پر لگا ہی رہا تھا کہ شہزاد ناشتے پر یوں ٹوٹ پڑا جیسے صدیوں سے بھوکا ہو۔

فیصل جانتا تھا کہ کھاتے وقت شہزاد باتیں کرنا

پسند نہیں کرتا اس لیے وہ بھی خاموشی سے ناشتے میں مصروف ہوگیا۔

ابھی ان کا ناشتہ جاری تھا کہ ساتھ والے کیبن میں کھٹ پٹ سی ہوئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے دو افراد کیبن میں داخل ہوئے ہوں۔ اور پھر ایک بھاری سی آواز ابھری۔

"ساتھ والے کیبن میں کون ہیں؟"

"دو لڑکے بیٹھے ہیں۔ میں نے بیرے سے معلوم کرلیا ہے۔" ایک اور آواز ابھری۔ اس کا لہجہ مؤدبانہ سا تھا۔

"ہوں! تو مطلب ہے کہ خطرہ کی کوئی بات نہیں۔" بھاری آواز نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"جی ہاں! اس وقت تمام ہال خالی ہے۔" دوسرے آدمی نے جواب دیا۔

"تو سنو! باس یہاں پہنچ گیا ہے اور آج سے کام شروع ہو جائے گا۔ تمام ممبروں کو ہوشیار کردو۔" بھاری آواز نے قدرے سرگوشیانہ لہجے میں کہا مگر اس کی آواز واضح طور پر فیصل کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ شہزاد حسبِ دستور ناشتے میں ہی

خاموشی سے اٹھا اور کیبن سے باہر نکل کر واشنگ
منہمک تھا۔ توسوں کا ڈھیر تیزی سے کم ہو ہوا بیسن کی طرف چل دیا جیسے ناشتہ سے فارغ ہوکر
جارہا تھا۔
ہاتھ دھونا چاہتا ہو۔ البتہ اس دوران اس نے
"مگر کچھ کام کا بھی تو پتہ چلے"۔ دوسرے ان دونوں کا بھرپور جائزہ لے لیا۔
آدمی نے پوچھا۔
ان میں سے ایک لمبا تڑنگا قوی ہیکل نوجوان
"کام کی تفصیل کا تو مجھے علم نہیں۔ تھا۔ اس کے چہرے سے ہی محسوس ہورہا تھا
باس کے انداز سے معلوم ہورہا تھا کہ کام کہ وہ مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث رہا ہے جب کہ
بہت بڑا ہے۔ اتنا اشارہ البتہ معلوم ہوا ہے دوسرا کوئی معزز تاجر معلوم ہورہا تھا وہ دونوں
اسلحے کی سمگلنگ کا چکر ہے۔ بہرحال ہوشیار سیڑھیاں چڑھ کر اوپر رہائشی کمروں کی طرف بڑھتے
کسی بھی وقت کام شروع ہوسکتا ہے اور چلے گئے۔
معلوم ہے کہ باس جہاں بھی رقم دیتا ہے وہاں "صاحب آپ ناشتے سے فارغ ہوگئے"؟ بیرے
معمولی سی غلطی بھی معاف نہیں کرتا"۔ بھاری آواز نے مسکراتے ہوئے فیصل سے پوچھا۔
نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا مگر اس کے لہجے میں "ہاں بھئی! میں تو فارغ ہوگیا ہوں۔ البتہ میرا
موجود دھمکی نمایاں تھی۔ ساتھی ابھی مصروف ہے"۔ فیصل نے بھی ہنستے ہوئے
"آپ بے فکر رہیں جناب! گروہ بالکل مستعد ہے جواب دیا۔
بس حکم کی ضرورت ہے"۔ دوسرے نے جواب دیا۔ "صاحب ویسے میں نے اتنا ناشتہ آجتک کسی
"اوکے۔ حکم کسی بھی وقت پہنچ سکتا ہے دو آدمیوں کو بھی نہیں پہنچایا۔ جتنا آپ کے دوست
آؤ اب چلیں"۔ بھاری آواز والے نے کہا اور پھر کے لیے پہنچایا ہے"۔ بیرے نے مسکراتے ہوئے کہا۔
ان دونوں کے اٹھنے کی آوازیں سنائی دیں۔ "ابھی تو اس کی بھوک بند ہے۔ وہ مجھے کہہ رہا
جب وہ کیبن سے باہر نکل گئے تو فیصل بھی

تھا کہ کسی حکیم کے پاس چلیں"۔ فیصل نے
اور بیرا بے اختیار ہنس پڑا۔

"کیا یہ دونوں آدمی ہوٹل میں رہتے ہیں"
اچانک فیصل نے بیرے سے مخاطب ہو کر کہا

"کون سے"؟ بیرے نے حیرت بھرے لہجے میں

"وہی جو ابھی کیبن سے نکل کر اوپر
ہیں"۔ فیصل نے پوچھا۔

"نہیں! ان میں سے ایک جس نے سوٹ
ہوا ہے وہ ہوٹل کے کمرہ نمبر دو سو دس
رہتا ہے۔ کہیں باہر کا بڑا تاجر ہے اور سیٹھ
نام ہے۔ دس دنوں سے آیا ہوا ہے۔ دوسرا
کا کوئی دوست ہے"۔ بیرے نے وضاحت
ہوئے کہا۔

"وہ ہمارے دوست کے اکثر معلوم ہوتے
کیبن میں آئے بھی ہیں اور ناشتہ کئے بغیر
اٹھ گئے ہیں"۔ فیصل نے حیرت بھرے لہجے
کہا۔

"نہیں! سیٹھ اکرم کی بیوی بھی اس کے
ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ناشتہ اپنے کمرے میں

منگواتے ہیں۔ کوئی ضروری بات کرنی ہوگی"۔ بیرے
نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"اچھا! میں ذرا اپنے دوست کا پتہ کروں کہ
وہ فارغ ہوا ہے یا نہیں"۔ فیصل تیز تیز قدم
اٹھاتا کیبن کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

سامان سے لدا ہوا ٹرک آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس باڑ تک پہنچ گیا جہاں فوجی سپاہی متعد کھڑے ہوئے تھے۔

یہ ملک کی سرحد تھی اور یہاں سے چیکنگ کے بعد ہی ملک کے اندر داخلہ ممکن ہوسکتا تھا ٹرک رُکتے ہی اس میں سے ایک آدمی کودا اور تیز تیز قدم اٹھاتا قریبی بارک میں چلا گیا جہاں چوکی کا انچارج بیٹھا ہوا تھا۔ اُس آدمی نے جیب سے ایک چھوٹا سا بیج نکالا جس پر تکونی ستارہ بنا ہوا تھا اور پھر اس نے وہ بیج انچارج کے آگے رکھ دیا۔ انچارج نے چونک کر وہ بیج اٹھایا اور پھر اس پر انگلی پھیر کر

دیکھنے لگا۔ اس کی انگلی دو جگہ پر اٹک گئی تو اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار پھیل گئے۔ اور اس نے بیج دوبارہ آدمی کو پکڑا دیا اور پھر دراز میں سے ایک سرخ رنگ کا کارڈ نکال کر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ آج چوتھا ٹرک ہے۔ باس کو پیغام دیدو کہ سپلائی کی رفتار کم ہونی چاہیئے۔ کسی بھی وقت چھاپہ پڑسکتا ہے"۔ انچارج نے کہا۔

"ٹھیک ہے پیغام بھیج دونگا"۔ آنے والے نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا پہرے پر کھڑے سپاہی کی طرف بڑھ گیا اور پھر اس نے سرخ رنگ کا کارڈ سپاہی کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

سپاہی نے پھرتی سے کارڈ اپنی جیب میں ڈالا اور پھر سر سے ہاں کا اشارہ کردیا۔ آنے والے نے ٹرک کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ لہرایا تو ٹرک سٹارٹ ہوکر آگے بڑھنے لگا۔ سپاہی نے آگے بڑھ کر باڑ اٹھالی اور ٹرک بغیر چیکنگ کے سرحد پار کرگیا۔ سرحد پار ہوتے ہی وہ آدمی بھی دوبارہ ٹرک پر سوار

ہوگیا اور ٹرک خاصی تیز رفتاری سے آگے بڑھنے
"انچارج نے سپلائی کم کرنے کا پیغام دیا ہے
دوبارہ چڑھنے والے آدمی نے بڑی بڑی مونچھوں والے
ڈرائیور سے مخاطب ہوکر کہا۔
"کیوں؟" ڈرائیور نے چونک کر پوچھا۔
"اسے خطرہ ہے کہ کہیں چھاپہ نہ پڑجائے۔"
آدمی نے جواب دیا۔
"میرا خیال ہے آج ہمارا ٹرک آخری ہے۔ بہرحال
تم باس کو پیغام دے دو۔" ڈرائیور نے سرہلاتے ہوئے
کہا اور دوسرے آدمی نے جیب سے ایک چھوٹا سا
ڈبہ نکالا اور اس کی ایک سائیڈ میں موجود بٹن
دبایا۔ بٹن دبتے ہی ڈبے میں سے سرسراہٹ کی
آوازیں نکلنے لگیں۔ چند لمحوں بعد اس میں سے ایک
بھاری آواز بلند ہوئی۔
"ہیلو! ریڈاسٹار سپیکنگ۔"
"جانی بول رہا ہوں باس! ٹرک سرحد پار کر گیا
ہے مگر۔ انچارج چوکی نے پیغام دیا ہے کہ سپلائی
کی رفتار کم کی جائے۔ چھاپہ پڑنے کا خطرہ ہے"
اس آدمی نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اور کوئی بات؟" باس نے پوچھا۔
باقی سب ٹھیک ہے جناب۔" جانی نے جواب دیا
"مال گودام میں پہنچا کر تم ہوٹل لالہ زار میں
سیٹھ اکرم کو رپورٹ کرو۔ باقی ہدایات وہی دے گا۔"
باس نے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی
آواز آنی بند ہوگئی۔
جانی نے بھی بٹن بند کرکے ڈبہ واپس جیب
میں ڈال لیا۔ ٹرک کی رفتار اور بھی زیادہ تیز
ہوتی چلی گئی۔

"مجرموں کی گڑبڑ! کیا مطلب؟" شہزاد نے چونکتے
وئے کہا۔ وہ چونکہ اب ناشتے سے فارغ ہوگیا تھا
س لیے اب اس کے کان ہر بات سننے کے لیے
ھل گئے تھے اور پھر فیصل نے سیٹھ اکرم اور
دوسرے آدمی کی ساتھ والے کیبن میں ہونے والی
مام باتیں دہرائیں۔

"شہزاد جلدی سے اٹھو۔ مجھے کسی گڑبڑ کا احا "اوہ! واقعی کچھ گڑبڑ ہے۔ میرا خیال ہے کہ
ہورہا ہے۔" فیصل نے کیبن میں داخل ہوتے ہوئے خوفناک گروہ ملک میں کسی سازش میں مصروف
شہزاد سے مخاطب ہوکر کہا۔ ہے۔ تبھی یہ اسلحہ وغیرہ لایا جارہا ہے۔" شہزاد نے
"گڑبڑ؟ ہاں بھوک کی وجہ سے میرے پیٹ پانی کا جگ حلق میں انڈیلنے کے بعد کہا۔
ہی گڑبڑ ہوسکتی ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ آتنا "تو پھر اب کیا کیا جائے"؟ فیصل نے پُرجوش
ہوٹل بنالیا ہے مگر ایک آدمی کو پیٹ بھر کر نا لہجے میں کہا۔
بھی سپلائی نہیں کرسکتے ہوں۔" شہزاد نے آخر "دوپہر کے کھانے کا انتظار۔ اور بھلا ہم کیا کر
توس منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ سکتے ہیں۔" شہزاد نے معصوم سے لہجے میں جواب
"خدا تمہاری بھوک سے سمجھے۔ میں تمہارے پیٹ دیا اور فیصل نے یوں بُرا سا منہ بنالیا جیسے اس
کی گڑبڑ نہیں بلکہ مجرموں کی گڑبڑ کی بات کر کے منہ میں اچانک کونین کی گولی آگئی ہو۔
ہوں۔" فیصل نے دبے لہجے میں سرگوشی کرتے ہو "تمہیں علم ہے کہ سیٹھ اکرم کونسے کمرے میں
کہا۔ رہا ہے؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شہزاد
نے پوچھا۔

"ہاں! بیرے نے بتایا ہے کہ وہ کمرہ نمبر دو سو د
میں ٹھہرا ہوا ہے"۔ فیصل نے جواب دیا۔

"تو آؤ چلیں"۔ شہزاد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کہاں"؟ فیصل نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"سیٹھ اکرم کے پاس۔ اس سے پوچھ لیتے ہ
کہ کیا گڑبڑ ہے"۔ شہزاد نے کیبن کا پردہ ہٹا
باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہے؟ بھلا وہ کیا
بتلائے گا بلکہ وہ لوگ تو ہوشیار ہو جائیں گے
فیصل نے دبے لہجے میں کہا۔

"ہوشیار ہو جائیں گے تو اچھا ہے۔ تمہیں علم
ہے کہ ہوشیار آدمی جلدی پھنستا ہے"۔ شہزاد نے
جواب دیا اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کاؤنٹر
پاس پہنچ گیا۔

کاؤنٹر مین نے انہیں دیکھتے ہی بل پلیٹ
رکھ کر ان کے آگے کھسکا دیا۔

شہزاد نے ایک نظر بل دیکھا اور پھر جیب
ایک بڑا نوٹ نکال کر پلیٹ میں رکھ دیا اور خو
بڑی بے نیازی سے مڑکر لفٹ کی طرف چل دیا۔

کاؤنٹر مین اور بیرا بڑی حیرت سے شہزاد کو
دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ اتنے بڑے نوٹ سے وہ
اتنا ناشتہ دس بار کرسکتا تھا۔ انہیں شاید ایک لڑکے
سے اتنی بڑی ٹپ کی توقع نہ تھی۔

شہزاد اور فیصل لفٹ کے قریب پہنچ کر رک
گئے۔ لفٹ بوائے نے انہیں جھک کر سلام کیا۔

"کمرہ نمبر دو سو دس میں جانا ہے"۔ شہزاد نے
لفٹ بوائے سے مخاطب ہوکر کہا۔ اور لفٹ بوائے نے
ادب سے سر جھکا دیا۔

وہ دونوں لفٹ میں داخل ہوئے تو لفٹ بوائے
نے آٹھویں منزل کا بٹن دبا دیا اور لفٹ تیزی سے
اوپر چڑھنے لگی۔

"کیا واقعی تم اس سے ملوگے؟" فیصل نے بدستور
حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں! آخر ملنے میں حرج ہی کیا ہے"۔ شہزاد
نے مختصر سا جواب دیا اور فیصل خاموش ہوگیا۔

چند لمحوں بعد لفٹ آٹھویں منزل پر پہنچ کر رک
گئی اور لفٹ بوائے نے دروازہ کھول دیا۔

"آخری سے پہلا کمرہ ہے"۔ لفٹ بوائے نے کہا۔

"شکریہ" شہزاد نے کہا اور پھر تیزی سے کمرہ نمبر دو سو دس کی طرف چل پڑے۔

فیصل کی سمجھ میں یہ بات نہ آ رہی تھی کہ آخر شہزاد سیٹھ اکرم سے ملنے کیوں جا رہا ہے مگر وہ اس لیے خاموش تھا کہ شہزاد کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کوئی فیصلہ کرے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اُسے اپنے ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتی۔

کمرہ نمبر دو سو دس کا دروازہ بند تھا۔ شہزاد نے بڑے اطمینان سے دروازے پر دستک دی۔ اور پہلی ہی دستک پر دروازہ کھل گیا اور ایک نوجوان لڑکی نے باہر جھانکا۔ لڑکی نے چست پتلون اور بوشرٹ پہنی ہوئی تھی۔

"سیٹھ اکرم کمرے میں ہیں"؟ شہزاد نے لہجے کو باوقار بناتے ہوئے پوچھا۔

لڑکی ان دونوں لڑکوں کو ایک لمحے کے لیے حیرت سے دیکھتی رہی۔ پھر اس وقت وہ چونکی جب اندر سے ایک مردانہ آواز ابھری۔

"سوزی! کون ہے دروازے پر"؟

"دو لڑکے تمہارا پوچھ رہے ہیں" سوزی نے مڑکر

جواب دیا۔

"لڑکے" اندر سے حیرت بھری آواز سنائی دی اور دوسرے لمحے ایک موٹا سا آدمی دروازے پر ظاہر ہوا۔

"کون ہو تم"؟ آنے والے نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"کیا تم ہی سیٹھ اکرم ہو"؟ شہزاد نے بڑے اطمینان بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں! کیوں"؟ سیٹھ اکرم کے لہجے میں بدستور حیرت نمایاں تھی۔

"کیا تم ہمیں اندر آنے کے لیے نہیں کہو گے"؟ شہزاد نے بڑے مطمئن لہجے میں کہا۔

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو"؟ سیٹھ اکرم نے سخت لہجے میں کہا۔

"باس کا خصوصی پیغام ہے" شہزاد نے دبے لہجے میں کہا۔

"باس" سیٹھ اکرم یوں اچھلا جیسے اس کے پیر میں اچانک بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"آؤ آؤ اندر آؤ" سیٹھ نے تیز لہجے میں کہا باس

کا نام سنتے ہی اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمایاں تھے۔

اور پھر شہزاد اور فیصل بڑے اطمینان سے چلتے ہوئے کمرے کے اندر موجود صوفے پر بیٹھ گئے۔

"کیا مس سوزی کے سامنے وہ پیغام دے دیا جائے؟" شہزاد نے صوفے پر بیٹھتے ہی کہا۔

"سوزی! تم باہر جاؤ"۔ سیٹھ اکرم نے نوجوان لڑکی سے مخاطب ہوکر سخت لہجے میں کہا اور سوزی خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"ہاں! اب بتاؤ کیا پیغام ہے"؟ سیٹھ اکرم نے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"باس نے کہا ہے کہ تم ذرا ہیڈکوارٹر پہنچ جاؤ۔ حالات اچانک بگڑ گئے ہیں"۔ شہزاد نے جواب دیا

"ہیڈکوارٹر، حالات بگڑ گئے ہیں"۔ سیٹھ اکرم نے دانتوں سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں! تم جس قدر جلد پہنچ جاؤ۔ اتنا ہی تمہارے حق میں بہتر رہے گا"۔ شہزاد نے جواب دیا۔

"مگر باس یہ پیغام براہ راست بھی دے سکتا تھا"۔ سیٹھ اکرم نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمہارے کمرے کا ٹیلیفون چیک کیا جا رہا ہے"۔ شہزاد نے جواب دیا

"اوہ اچھا! ٹھیک ہے۔ میں ابھی پہنچ جاؤں گا۔ اب تم جا سکتے ہو"۔ سیٹھ اکرم نے تیز لہجے میں کہا اور شہزاد اور فیصل اٹھ کھڑے ہوئے۔

مگر اس سے پہلے کہ وہ دونوں دروازے تک پہنچتے۔ اچانک دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور ایک لمبا تڑنگا نوجوان جس کے چہرے پر سختی کے آثار جیسے جم سے گئے تھے۔ دروازے میں ظاہر ہوا۔ اور وہ شہزاد اور فیصل کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ٹھٹھک گیا۔

"جونی تم"۔ سیٹھ اکرم نے نوجوان کو دیکھ کر بے اختیار کہا۔

"یہ لڑکے کون ہیں"؟ جونی نے اچانک سرد لہجے میں کہا اور دوسرے لمحے اس کی جیب سے ریوالور اس کے ہاتھ میں آگیا۔

"باس کا پیغام لے کر آئے ہیں"۔ سیٹھ اکرم نے بڑا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"ہوں تو یہ چکر ہے۔ شکر ہے کہ میں بروقت

پہنچ گیا۔ ہاتھ اوپر کرلو تم دونوں"۔ جونی نے بھیڑیئے کی سی غراہٹ میں شہزاد اور فیصل سے مخاطب ہوکر کہا۔

"وہ کیوں"؟ شہزاد نے بڑے مطمئن لہجے میں کہا۔

"اس لیے کہ میں تم دونوں کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ تم دونوں کی تصویریں میں اخبار میں دیکھ چکا ہوں۔ جب تم نے قیمتی خزانہ تلاش کرنے والوں کو پکڑوایا تھا"۔ جونی نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

"اوہ! تو یہ دونوں وہی ہیں"۔ سیٹھ اکرم نے بوکھلا کر کہا اور دوسرے لمحے اس نے بھی جیب سے سائیلنسر لگا ریوالور نکال لیا۔

"ہاں! یہ وہی ہیں۔ مگر سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ دونوں ہمارے راستے پر کیسے لگ گئے"۔ جونی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"بہرحال جیسے بھی لگ گئے۔ اب انہیں زندہ نہیں رہنا چاہیئے"۔ سیٹھ اکرم نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"مگر ان سے یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ انہیں ہمارے متعلق علم کیسے ہوا"۔ جونی نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

[illegible]

"مجھے اب بات سمجھ میں آگئی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے نمبر الیون آیا تھا۔ میں نے اس سے بات کرنے کے لیے نیچے کیبن کا انتخاب کیا تو ساتھ والے کیبن میں یہ دونوں موجود تھے۔ انہوں نے ہماری گفتگو سن لی ہے"۔ سیٹھ اکرم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ بات کھل گئی۔ مگر باس سے بات کرلو۔ ہوسکتا ہے باس اس ہوٹل میں ان کی موت پسند نہ کرے"۔ جونی نے کہا۔ اور سیٹھ اکرم تیزی سے ایک الماری کی طرف بڑھا۔ اس نے الماری کھول کر ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکالا اور پھر اس کا بٹن دباکر ہیلو ہیلو کرنے لگا۔

"یس ریڈ اسٹار سپیکنگ"۔ دوسری طرف سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔ اور سیٹھ اکرم نے باس کو فیصل اور شہزاد کے بارے میں تمام تفصیل بتادی۔

"اس ہوٹل میں کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ پولیس پیچھے لگ جائے۔ جونی سے کہو کہ انہیں ہیڈکوارٹر لے آئے۔ غلط حرکت کی صورت میں کسی بھی جگہ انہیں گولی مارنے کی اجازت ہوگی"۔ باس

ئی آواز کمرے میں گونجی اور سیٹھ اکرم نے بٹن بند کر دیا۔

"دیکھو لڑکو! ہمارا باس بےحد رحمدل ہے۔ اگر تم چُپ چاپ ہیڈکوارٹر تک چلے گئے تو ہوسکتا ہے کہ وہ اپنا مشن پورا کرنے تک تمہیں وہاں بند رکھے۔ اور بعد میں چھوڑ دے۔ لیکن اگر تم نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو ایک لمحے سے بھی کم عرصہ میں گولی تمہاری کھوپڑی توڑ دے گی۔" جونی نے فیصل اور شہزاد کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں نے زندگی میں کبھی کوئی غلط حرکت نہیں کی۔ بس باس سے یہ کہہ دینا کہ مجھے کھانا پیٹ بھرکر کھلاتا رہے۔" شہزاد نے بڑے مطمئن لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"تو چلو باہر نکلو۔" جونی نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا اور فیصل اور شہزاد خاموشی سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئے۔ جونی ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اس نے ریوالور جیب میں ڈال لیا تھا۔ لفٹ سے وہ نیچے ہال میں آئے اور پھر ہال سے نکل کر کمپاؤنڈ میں آگئے۔ جونی بےحد چوکنا تھا مگر فیصل

اور شہزاد بڑے اطمینان سے چل رہے تھے ان کے چہرے سے ذرہ برابر بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کسی گڑبڑ کے شکار ہیں۔

ہوٹل سے باہر ایک سرخ رنگ کی بڑی سی کار موجود تھی اور کار کے قریب ہی ایک اور نوجوان بھی کھڑا تھا۔

"چلو اس کار میں بیٹھو۔" جونی نے فیصل اور شہزاد سے مخاطب ہوکر کہا اور کار کے قریب کھڑے نوجوان نے حیرت سے ان دونوں کی طرف دیکھا مگر وہ خاموش کھڑا رہا۔ شہزاد نے کار کی پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور پھر وہ دونوں خاموشی سے کار کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئے۔ جونی بھی ان کے ساتھ ہی پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔

"مارٹن! ہیڈکوارٹر لے چلو۔" جونی نے دوسرے نوجوان سے کہا۔ جو اب سٹیئرنگ پر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے سر ہلاکر کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔ جونی نے ریوالور اب جیب سے باہر نکال لیا تھا۔

یہ ایک ہال نما کمرہ تھا جس کے ایک طرف بڑی بڑی پیٹیوں کے ڈھیر چھت تک چلے گئے تھے. کمرے کے درمیان میں ایک بڑی میز تھی جس کے پیچھے صرف ایک کرسی پڑی ہوئی تھی اور کمرے کے دروازے کے قریب سٹین گنوں سے مسلح دو آدمی بڑے چوکنے انداز میں کھڑے تھے جبکہ میز کے قریب ایک قوی ہیکل آدمی چہرے پر سرخ رنگ کا نقاب پہنے بڑی بےقراری کے عالم میں ٹہل رہا تھا. وہ بار بار اپنے ایک ہاتھ کی مٹھی دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر زور زور سے مار رہا تھا.

"آخر وہ لڑکے ہماری راہ پر کیسے لگ گئے؟

میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ انہیں کیبن میں بات سن کر ہمارے متعلق معلوم ہوا ہے. وہ لڑکے اس قدر بے وقوف نہیں ہوسکتے کہ اس طرح بات سنکر سیدھے سیٹھ اکرم کے پاس پہنچ جاتے ضرور کوئی چکر ہے". نقاب پوش جو اس خوفناک گروہ کا باس تھا اپنے آپ سے ہی باتیں کر رہا تھا.

تھوڑی دیر بعد کمرے میں ہلکی سی سیٹی کی آواز گونجی اور نقاب پوش چونک پڑا. اس نے دروازے کے قریب کھڑے ہوئے مسلح آدمی کو مخصوص انداز میں اشارہ کیا اور اس نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا.

دروازہ کھلتے ہی فیصل اور شہزاد اندر داخل ہوئے اور ان کے پیچھے ریوالور ہاتھ میں پکڑے جونی ظاہر ہوا.

نقاب پوش بڑی تیز نظروں سے فیصل اور شہزاد کو دیکھ رہا تھا جن کی نظریں سرچ لائٹ کی طرح کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں.

"دونوں لڑکے حاضر ہیں باس". جونی نے بڑے مودبانہ لہجے میں باس سے مخاطب ہوکر کہا.

"انہوں نے کوئی حرکت تو نہیں کی؟" باس نے گرجدار لہجے میں پوچھا۔

"نہیں باس! اگر یہ ایسا کرتے تو زندہ یہاں تک نہ پہنچتے۔" جونی نے جواب دیا۔

"ہوں۔" باس نے کہا اور پھر وہ دوبارہ فیصل اور شہزاد کی طرف متوجہ ہوگیا۔ جو اب کمرے کے درمیان میں کھڑے نقاب پوش کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"سنو لڑکو! اگر تم سچ سچ بتادو کہ تم ہمارے ہتھے پر کیسے لگے تو ہوسکتا ہے کہ میں تم سے نرمی کر جاؤں"۔ باس نے ان دونوں سے مخاطب ہوکر کہا۔

"تم پوچھ کر کیا کروگے"؟ شہزاد نے جواب دیا۔

"تمہیں سوال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ میری بات کا جواب دو۔" باس نے بھیڑیے کی طرح غراتے ہوئے کہا۔

"تمہیں سیٹھ اکرم نے نہیں بتایا کہ ہم نے اس کی گفتگو کیبن میں سن لی تھی۔" شہزاد نے پہلے کی طرح مطمئن لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"بکواس ہے۔ میں اسے نہیں مانتا۔" باس نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

"نہیں مانتے تو نہ مانو۔ سیٹھ اکرم تمہارا آدمی ہے اس کے متعلق تم بہتر سمجھ سکتے ہو کہ وہ جھوٹا ہے یا سچا۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"باس! یہ اس طرح نہیں بتائیں گے۔" اچانک جونی نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں! ٹھیک کہتے ہو۔ انہیں کمرہ نمبر چار میں لے چلو۔ میں دیکھتا ہوں یہ کیسے نہیں بتاتے۔" باس نے سرد لہجے میں کہا اور جونی نے انہیں مڑ کر دروازے کی طرف چلنے کے لیے کہا۔

فیصل اور شہزاد مڑ کر دروازے کی طرف بڑھنے لگے اور پھر وہ دونوں جونی کے آگے آگے چلتے ہوئے ایک اور کمرے میں داخل ہوئے یہاں مشین گنوں سے مسلح دو افراد موجود تھے اور کمرے میں ہر طرف اذیت دینے کے آلات بکھرے ہوئے تھے۔

باس بھی ان کے پیچھے چلتا ہوا کمرے میں آگیا۔ جونی انہیں وہاں پہنچا کر واپس چلا گیا تھا

"انہیں ہتکڑی میں باندھ دو۔" باس نے حکم د
اور کمرے میں موجود مسلح افراد عقاب کی طر
ان دونوں پر جھپٹ پڑے۔

ڈریکولا، فیصل اور شہزاد کے جانے کے بعد کچھ دیر تو باورچی خانے میں برتن وغیرہ دھوتا رہا۔ پھر اس کام سے فارغ ہوکر اس نے بھی شہر کی سیر کا پروگرام بنایا۔ کیونکہ اب اُسے معلوم تھا کہ وہ دونوں شام سے پہلے واپس نہیں آئیں گے۔ چنانچہ کپڑے تبدیل کرکے وہ گھر سے باہر نکل آیا، دروازے کو تالا لگاکر اس نے چابی ایک مخصوص جگہ پر رکھ دی۔ جس کا علم فیصل اور شہزاد کو تھا تاکہ اگر وہ اس کی عدم موجودگی میں آجائیں تو وہ مکان کا تالا کھول سکیں۔

مکان سے باہر آکر ڈریکولا سوچنے لگا کہ اب وہ کہاں جائے۔ چند لمحے تو وہ سڑک کے کنارے

کھڑا سوچتا رہا۔ پھر اچانک اُسے خیال آیا کہ وہ سمن
کے کنارے جائے کیونکہ وہاں آجکل ایک میلہ لگ
ہوا تھا اور اُسے میلے دیکھنے کا بچپن سے ہی بڑ
شوق تھا۔ پیسے کی اُسے پرواہ نہ تھی کیونکہ فیص
اور شہزاد اس معاملے میں بےحد سخی واقع ہوئے تھے
چنانچہ اس نے ایک خالی ٹیکسی روکی اور اُسے سمن
کے کنارے چلنے کے لیے کہا۔ ٹیکسی تیزی سے سڑک
پر دوڑنے لگی اور ڈریکولا بڑی دلچسپی سے اردگرد کی
عمارتوں کو دیکھنے لگا۔

مختلف سڑکوں سے گذرنے کے بعد جب ٹیکس
ہوٹل لالہ زار کی عظیم الشان بلڈنگ کے سامنے سے گز
تو اچانک ڈریکولا کی نظر ایک سرخ رنگ کی کار پ
پڑی۔ جس میں فیصل اور شہزاد بیٹھ رہے تھے جبکہ
اس کے پیچھے ایک نوجوان سخت چہرہ لیے کھڑا تھا
بس اس کی نظر ایک لمحے کے لیے ان دونوں پر
پڑی تھی۔ پھر ٹیکسی آگے بڑھ گئی تھی۔ مگر ڈریکو
کے ذہن میں فیصل اور شہزاد کے کار میں بیٹھ
کا انداز کھٹک گیا۔

"ڈرائیور! ٹیکسی ایک طرف کرکے روک لو۔" اچانک

ڈریکولا نے ڈرائیور سے مخاطب ہوکر کہا۔ اور ڈرائیور
نے ایک جھٹکے سے ٹیکسی ایک طرف کرکے روک لی۔

"جی"۔ ڈرائیور نے حیرت بھرے انداز میں مڑکر
اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ڈریکولا نے جیب سے ایک بڑا سا نوٹ نکال
کر ٹیکسی ڈرائیور کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارا ہوگیا۔ بعد میں ایسا ایک نوٹ اور بھی
مل سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ خاموشی سے جو میں
کہے جاؤں ویسے ہوتا جائے"۔ ڈریکولا نے کہا۔

"کیا مطلب"؟ ڈرائیور نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"مطلب پوچھنے کے لیے اتنا بڑا نوٹ تمہیں نہیں
دیا گیا"۔ ڈریکولا نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔ اور
ڈرائیور نے خاموشی سے نوٹ جیب میں ڈال لیا۔

ڈریکولا کی نظریں ہوٹل لالہ زار کے گیٹ پر جمی
ہوئی تھیں۔ چند لمحوں بعد وہی سرخ رنگ کی کار
گیٹ سے باہر آئی اور پھر اسی طرف آنے لگی
جدھر ڈریکولا کی ٹیکسی موجود تھی۔ کار بڑی تیزرفتاری
سے ان کے قریب سے گزر گئی۔

"اس کار کا ہوشیاری سے تعاقب کرو"۔ ڈریکولا

نے ڈرائیور سے کہا اور ڈرائیور نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

ٹیکسی ڈرائیور کافی فاصلہ رکھکر کار کا تعاقب کر رہا تھا اور چونکہ اب سڑک پر ٹریفک کا کافی رش ہوگیا تھا اس لیے ڈریکولا مطمئن تھا کہ سرخ کار والوں کو تعاقب کا اندازہ نہیں ہوسکتا تھا وہ صرف اس لیے تعاقب کررہا تھا کہ صحیح صورت حال کا علم ہوسکے۔

مختلف سڑکوں سے گذرنے کے بعد سرخ رنگ کی کار ایک پرانی سی بڑی عمارت کے گیٹ میں داخل ہوگئی۔ ڈرائیور نے مڑ کر ڈریکولا کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ اب کیا کرنا ہے۔

"ذرا آگے چل کر روک دو۔" ڈریکولا نے کہا اور ڈرائیور نے آگے ایک درخت کے نیچے جاکر ٹیکسی روک دی۔

"تم کم سے کم آدھے گھنٹے تک میرا انتظار کرنا اگر میں آگیا تو ٹھیک ورنہ تمہاری چھٹی۔" ڈریکولا نے ٹیکسی سے نیچے اترتے ہوئے کہا اور ڈرائیور نے سر ہلا دیا۔

ڈریکولا ایک لمحہ ٹیکسی کے قریب کھڑا سوچتا رہا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ پھر اس نے فوراً ہی فیصلہ کرلیا کہ اُسے کسی نہ کسی طرح کوٹھی کے اندر جاکر صورتحال کا اندازہ لگانا چاہیئے۔ ہوسکتا ہے وہ فیصل اور شہزاد کے کسی کام آجائے

چنانچہ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کوٹھی کی پچھلی طرف آگیا۔ یہ عمارت ایک ایسی جگہ واقع تھی جہاں دُور دُور تک اور کوئی عمارت نہ تھی۔ عمارت کی پچھلی طرف دُور تک کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ عمارت کی پچھلی دیوار خاصی بلند تھی۔

ڈریکولا نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر اُسے اس اونچی دیوار کو پھلانگنے کا کوئی ذریعہ سمجھ میں نہ آیا۔ پھر اس کی نظریں دیوار پہ پھسلتے پھسلتے ایک جگہ پر رُک گئیں۔ یہاں دیوار کی جڑ میں ایک کافی بڑا سوراخ تھا جس کے آگے موٹی سلاخوں کی مضبوط جالی لگائی گئی تھی۔ یہ عمارت کے گندے پانی کے نکاس کا راستہ تھا۔ یہ سوراخ اتنا بڑا تھا کہ ڈریکولا آسانی سے اس میں گھس سکتا تھا مگر مسئلہ تھا اس جالی کا۔ وہ تیزی سے جالی کے قریب پہنچا اور پھر

اس نے زمین پر بیٹھ کر دونوں ہاتھ جالی پر جما دیئے اور اُسے کھینچنے لگا مگر جالی بید مضبوطی سے جمی ہوئی تھی اس لیے اس کی کوشش بیکار گئی ڈریکولا نے یہ دیکھ کر دونوں پیر جالی کے دونوں طرف دیوار کے ساتھ جما دیئے اور پھر دونوں ہاتھوں سے جالی کو پکڑ کر پوری قوت سے جھٹکا دیا اور پہلے ہی جھٹکے سے جالی اکھڑ گئی۔ ڈریکولا نے اطمینان کا سانس لیا اور جالی ایک طرف پھینک کر اس سوراخ میں گھس گیا۔ پانی کا راستہ بالکل خشک پڑا ہوا تھا شاید طویل عرصے سے اسے استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ یہ راستہ ایک سرنگ کی طرح عمارت کے نیچے چلا گیا تھا۔ ڈریکولا اس سرنگ میں تیزی سے بڑھتا چلا گیا۔

ابھی وہ کچھ ہی دُور آگے گیا تھا کہ اچانک اُسے تاریک سرنگ کے عین درمیان میں دو بلب جلتے نظر آئے۔ وہ ٹھٹھک کر رک گیا یہ بلب کچھ عجیب سے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بلب نہ ہوں بلکہ دو قیمتی ہیرے کسی نے سرنگ کے درمیان فضا میں ٹانک دیئے ہوں۔ وہ چند لمحوں تک

خاموش کھڑا رہا۔ آہستہ آہستہ اس کی نظریں اندھیرے کی عادی ہوتی چلی گئیں اور تبھی اسی لمحے سرنگ ایک خوفناک پھنکار سے گونج اٹھی اور ڈریکولا کے جسم میں سردی کی تیز لہر دوڑتی چلی گئی۔ وہ ان ہیروں کا راز سمجھ گیا تھا۔ یہ دنیا کا سب سے خوفناک سانپ کوبرا تھا جو سرنگ کے عین درمیان میں پھن اٹھائے کھڑا تھا اور یہ پھنکار اسی کی تھی۔ کوبرا انتہائی تیز رفتاری سے رینگتا تھا اس لیے ڈریکولا جانتا تھا کہ اب وہ واپس بھی نہیں بھاگ سکتا۔

کوبرا انتہائی خطرناک سانپ ہوتا ہے اور اس کا مقابلہ ناممکن۔ مگر ڈریکولا انتہائی نڈر واقع ہوا تھا اس لیے ڈریکولا نے مقابلے کا فیصلہ کر لیا اور یہ فیصلہ کرتے ہی وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ کوبرے سانپ کی دوسری خوفناک پھنکار سے غار گونج اٹھی۔ اب کوبرے اور ڈریکولا کے درمیان صرف چند گز کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔ ڈریکولا رک گیا اس کی نظریں ایک لمحے کے لیے ان ہیروں پر جم سی گئیں جو کوبرا کی آنکھیں تھیں اور اندھیرے میں ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں اُسے یوں محسوس

ہوا جیسے اس کا تمام جسم مفلوج ہوتا جا رہا ہے مگر دوسرے لمحے اس نے اپنی پوری ذہنی طاقت استعمال کر کے اپنے سر کو جھٹکا دیا اور کوبرے کی آنکھوں سے اپنی آنکھیں ہٹا لیں۔

عین اسی لمحے کوبرے نے ایک اور پھنکار ماری اور پھر وہ تیزی سے ڈریکولا کی طرف جھپٹا۔ ڈریکولا کوبرے کی بلندی اور اپنے اور اس کے درمیانی فاصلے کا اندازہ لگا چکا تھا اس لیے وہ بڑے مطمئن انداز میں کھڑا تھا۔

کوبرے کا پھن ایک جھٹکے سے ڈریکولا کے قدموں کے قریب زمین سے ٹکرایا اور دوسرے لمحے ڈریکولا بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آیا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے کوبرے کا پھن پکڑ لیا۔ کوبرے نے پھن اٹھانے کے لیے پوری طاقت لگائی مگر ڈریکولا بھی طاقت میں کم نہ تھا۔ اس نے پوری قوت لگا کر اس کا پھن زمین سے لگا دیا۔ غار میں تیز سرسراہٹ کی آواز گونجی اور کوبرے کا طویل جسم جو غار کے فرش پر رسی کے ڈھیر کی طرح لپٹا ہوا تھا تیزی سے کھلتا چلا گیا۔ پھر ایک لمحے سے بھی کم عرصہ

میں کوبرے کا جسم مضبوط رسی کی طرح ڈریکولا کی ٹانگوں کے گرد لپٹتا چلا گیا۔

ڈریکولا اچھی طرح جانتا تھا کہ اب موت اور زندگی کا مقابلہ شروع ہو چکا ہے اب اس بات کا فیصلہ چند ہی لمحوں میں ہو جائے گا کہ ان دونوں میں سے کسے موت نصیب ہوتی ہے۔ اور کسے زندگی۔

چنانچہ ڈریکولا نے پوری قوت سے اپنے ہاتھوں کو موڑا اور پھر ایک زبردست جھٹکے سے اس نے کوبرے کا منہ زمین سے رگڑ دیا۔ اس کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور دوسرے لمحے اس کے پیر زمین سے اکھڑ گئے۔ کوبرے نے بھی اپنی طاقت استعمال کی تھی۔ ڈریکولا پشت کے بل زمین پر گر پڑا مگر اس نے کوبرے کا پھن نہ چھوڑا۔ اور اب سرنگ کی دیوار اس کے ہاتھوں کے قریب تھی چنانچہ ایک جنون اور وحشت کے عالم میں وہ پوری قوت سے کوبرے کا سر دیوار سے رگڑتا چلا گیا۔ اس کے بازو بجلی کی سی تیزی سے چل رہے تھے۔

چند لمحوں تک یہ موت کی جنگ جاری رہی۔ پھر

ڈریکولا کے جسم پر کوبرے کی گرفت ہلکی پڑتی چلی گئی اور اس کے جسم کے گرد لپٹے ہوئے بل کھلتے چلے گئے مگر ڈریکولا ایک جنونی کے عالم میں بازو ہلاتا ہی چلا گیا حتیٰ کہ اس کے دونوں ہاتھ گوشت اور خون سے بھر گئے اور پھر ایک طویل سانس لے کر وہ کھڑا ہوگیا۔ اس کا پورا جسم پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ وہ یہ جنگ اپنی بے پناہ ہمت اور طاقت سے جیت گیا تھا۔ اس نے موت اور زندگی کے مقابلے میں زندگی کو چھین لیا تھا۔

ڈریکولا چند لمحے خاموش کھڑا اپنے سانس ٹھیک کرتا رہا۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا کافی دور جانے کے بعد اسے سرنگ کی چھت پر ایک ہلکی سی روشنی کا احساس ہوا۔ یہاں لوہے کی سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں۔ وہ سمجھ گیا کہ یہاں سے باہر نکلنے کا کوئی ڈھکن ہوگا اور روشنی اسی ڈھکن کے اطراف سے آرہی ہے۔ سیڑھیاں چڑھ کر وہ جب اوپر پہنچا تو اس کا خیال درست نکلا۔ وہاں ایک ڈھکن موجود تھا۔ اور پھر ڈریکولا نے دونوں ہاتھوں سے زور لگایا تو ڈھکن بوتل کے منہ میں موجود کارک کی طرح تیزی سے اچھلتا

چلا گیا۔ ڈریکولا نے ڈھکن اٹھاتے اٹھاتے سر باہر نکالا تو اس نے اپنے آپ کو ایک بڑے سے کمرے کے کونے میں پایا۔ یہ کمرہ ہر قسم کے سامان سے خالی تھا۔

ڈریکولا نے بڑی احتیاط اور آہستگی سے ڈھکن ایک طرف رکھ دیا اور پھر سیڑھیاں چڑھ کر کمرے میں آگیا اور عین اسی لمحے اس کے کانوں میں ایک تیز چیخ کی آواز سنائی دی اور وہ بری طرح چونک پڑا۔ کیونکہ وہ آواز پہچان گیا تھا۔ یہ چیخ شہزادی کی تھی اور ساتھ والے کمرے سے آئی تھی وہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھا۔ اس کا رخ کمرے کے اکلوتے دروازے کی طرف تھا۔ کیونکہ چیخ کی آواز ادھر سے ہی آئی تھی۔

فیصل اور شہزاد ان مسلح افراد کے ہاتھوں بےبس ہوگئے اور پھر انہیں انتہائی پھرتی سے ٹکٹکیوں سے باندھ دیا گیا۔

"دیکھو لڑکے! اب بھی وقت ہے کہ تم سب کچھ سچ سچ بتادو کہ تمہیں ہمارا علم کیسے ہوا؟ ورنہ یاد رکھو کہ تمہارے جسم کا ایک ایک حصہ کاٹ دیا جائے گا۔" نقاب پوش نے انتہائی کرخت لہجے میں ان دونوں سے مخاطب ہوکر کہا۔

"جناب! میں بتاتا ہوں۔" اچانک فیصل بول پڑا۔ شہزاد نے سر گھما کر فیصل کی طرف دیکھا جس کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا تھا۔

"ہاں! بتاؤ شاباش۔" نقاب پوش نے اس بار قدرے

نرم لہجے میں کہا۔

"میں اور میرا ساتھی ہوٹل میں ناشتہ کرنے گئے وہاں ہم نے ساتھ والے کیبن میں سیٹھ اکرم اور ایک اور آدمی کی باتیں سنیں۔ جس میں کسی مکھن اور انڈے کی بات ہو رہی تھی۔ میں نے بیرے سے سیٹھ اکرم کے کمرے کا نمبر پوچھا اور پھر تمام باتیں اپنے ساتھی کو بتادیں۔ شہزاد کے کہنے پر ہم دونوں سیٹھ اکرم کے کمرے میں پہنچ گئے۔ جہاں شہزاد نے نہ جانے کیوں۔ باس کو جھوٹا پیغام دیا ابھی ہم وہاں موجود تھے کہ جرنی آگیا۔ اس نے چونکہ ہمیں پہچان لیا تھا اس لیے وہ ہمیں یہاں لے آیا اور اب ہم یہاں موجود ہیں۔ بس تمام بات یہ ہے۔" فیصل نے تفصیل بتاتے ہوئے جواب دیا۔

"ہوں! اس کا مطلب ہے کہ تمہیں اور کچھ معلوم نہیں اور تمہارا کسی سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔" نقاب پوش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں خاموش کھڑے رہے۔

چند لمحوں تک کمرے میں خاموشی طاری رہی۔ پھر

نقاب پوش نے سرد آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ان دونوں کو گولی مار کر ان کی لاشیں زمین میں دبا دو۔"

نقاب پوش باس کا حکم ملتے ہی مسلح افراد نے اپنی سٹین گنیں سیدھی کر لیں۔

"میرا خیال ہے کہ تم میں عقل نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔" اچانک شہزاد بول پڑا۔

"کیا مطلب"؟ نقاب پوش چونک پڑا۔

"تمہیں یہ سوچنا چاہیئے تھا کہ آخر ہم اپنے گھر سے اتنی دور اس ہوٹل میں ناشتہ کیوں کرنے گئے تھے۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ! تو اس کا مطلب ہے کہ یہ سب کچھ ایک باقاعدہ پروگرام کے مطابق ہوا ہے۔ ٹھیک ہے اب تم بتاؤ گے کہ اصل بات کیا ہے۔" نقاب پوش نے غصے سے پیر پٹختے ہوئے کہا۔

"اگر تم پوچھو گے تو ضرور بتاؤں گا۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ یوں مطمئن تھا جیسے یہ سب کچھ کوئی دلچسپ تماشہ ہو۔

"ہوں! تم بے حد مطمئن نظر آ رہے ہو۔ اس کا

مطلب ہے کہ تم کسی کے یہاں آنے کی امید لگائے ہوئے ہو۔ اگر ایسی بات ہے تو بھول جاؤ۔" نقاب پوش نے اچانک مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر وہ تیزی سے کمرے کے ایک کونے کی طرف مڑا اور اس نے دیوار پر لٹکے ہوئے ایک خوفناک ہنٹر کو اتار لیا۔ پھر ہنٹر ہاتھ میں لیے وہ تیزی سے شہزاد کی طرف بڑھا۔

"اس ہنٹر نے بڑے بڑے سخت جان لوگوں سے سب کچھ اگلوا لیا ہے۔ تم تو پھر بھی ایک لڑکے ہو۔" نقاب پوش نے سرد لہجے میں کہا اور پھر وہ شہزاد کے قریب آ کر رک گیا۔ اس کا وہ ہاتھ جس میں ہنٹر تھا بڑی بے چینی سے حرکت کر رہا تھا۔

"تم کسی شدید غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ دیکھو۔ پہلے میری انگلی کو دبا کر دیکھو۔ تب تمہیں احساس ہوگا کہ میں فولاد کا بنا ہوا ہوں یا گوشت پوست کا۔" شہزاد نے کہا۔

"کیا مطلب"؟ نقاب پوش چونک پڑا۔

"میں روبوٹ ہوں۔ ایک فولادی مشین۔ میں انسان

نہیں ہوں جسے تم کوڑے مار کر اپنا مقصد حاصل کر سکو گے" شہزاد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"روبوٹ" نقاب پوش کے لہجے میں حیرت تھی اس کی آنکھوں میں شدید الجھن تھی۔ وہ چند لمحے تذبذب کے عالم میں کھڑا رہا پھر اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر شہزاد کے بندھے ہوئے ہاتھ کی ایک انگلی ناخن سے پکڑ کر اُسے زور سے دبایا۔

فیصل بڑی حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اُسے یہ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آخر شہزاد کیا چکر چلا رہا ہے۔ مگر دوسرے لمحے وہ چونک پڑا۔ کیونکہ جیسے ہی نقاب پوش نے شہزاد کی انگلی پکڑ کر دبائی۔ نقاب پوش کے منہ سے ایک سسکاری سی نکل گئی اور اس نے کوڑا پھینک کر دوسرے ہاتھ سے اپنی دو انگلیاں پکڑ لیں جو انتہائی تیزی سے نیلی ہوتی چلی جارہی تھیں۔

مسلح افراد بھونچکے کھڑے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔

چند لمحے اسی عالم میں گزرے اور پھر نقاب پوش اچھل کر ایک طرف بڑھا اور اس نے انتہائی پھرتی

سے ایک بڑا سا چھرا اٹھایا اور اپنی نیلی ہوتی ہوئی انگلیاں ایک لکڑی کے کھمبے پر رکھ کر اُس نے پوری قوت سے وہ چھرا اپنی دونوں انگلیوں کی جڑ پر مار دیا۔

چھرا لگتے ہی دونوں انگلیاں کٹ کر دور جا گریں اور اس کے ساتھ ہی نقاب پوش کے حلق سے ایک زور دار چیخ نکل گئی۔ اب اس کی دونوں انگلیوں سے خون فوارے کی طرح نکل رہا تھا۔ پھر وہ دونوں انگلیوں کو سنبھالے تیزی سے دوڑتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے دونوں مسلح ساتھی ایک لمحے کے لیے حیران کھڑے رہے۔ پھر وہ بھی اپنے باس کے پیچھے بھاگے اور چند لمحوں بعد کمرہ خالی ہو گیا۔

پھر اس سے پہلے کہ وہ دونوں کوئی بات کرتے اچانک کمرے کی پچھلی دیوار میں موجود دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور ڈریکولا اچھل کر کمرے میں آگیا۔

"ڈریکولا" فیصل اور شہزاد دونوں کے حلق سے بے اختیار نکلا۔

"جی آقا!" ڈریکولا نے باقاعدہ جھک کر سلام کرتے ہوئے کہا۔

"ہمیں فوراً کھولو۔" فیصل نے چیخ کر کہا۔

"جی حضور۔" ڈریکولا نے کہا اور پھر اس نے آگے بڑھ کر تیزی سے فیصل کو کھول دیا۔ پھر وہ شہزاد کی طرف مڑا۔ مگر شہزاد نے خود ہی اپنے دونوں ہاتھ آزاد کر لیے تھے۔ اس کے ہاتھوں کے گرد بندھی ہوئی رسیاں کٹی ہوئی تھیں۔

"چلو اب بھاگ چلیں ورنہ اس بار وہ نقاب پوش ہمیں زندہ نہ چھوڑے گا۔" شہزاد نے کہا اور پھر ڈریکولا کی رہنمائی میں وہ دوسرے کمرے سے ہو کر اس سرنگ میں آ گئے۔ راستے میں مُردہ کوبرے کو دیکھ کر فیصل اور شہزاد کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"اسے میں نے مارا ہے حضور۔" ڈریکولا نے بھاگتے ہوئے کہا اور شہزاد اور فیصل نے یوں اثبات میں سر ہلا دیئے جیسے وہ اس کی طاقت اور ہمت پر ایمان لے آئے ہوں۔

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں عمارت کی پچھلی طرف

...گئے تھے اور پھر وہ کھیتوں میں گھستے چلے گئے ...ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ پھر سڑک پر پہنچ گئے۔

"آپ یہاں ٹھہریں۔ میں ٹیکسی لے آتا ہوں۔" ڈریکولا نے کہا۔

"ٹیکسی! وہ اس ویرانے میں کہاں سے آئے گی؟" شہزاد نے کہا۔

"آ جائے گی بھئی آ جائے گی۔ آخر ڈریکولا کہہ رہا ہے تو ضرور آ جائے گی۔" فیصل نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور ڈریکولا تیزی سے سڑک پر دوڑتا ہوا واپس اس عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد انہیں دُور سے ایک ٹیکسی اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ ٹیکسی ان کے قریب آ کر رک گئی۔

"لیجئے حضور! ٹیکسی حاضر ہے۔" ڈریکولا نے کار کی کھڑکی سے سر باہر نکال کر کہا۔ اور وہ دونوں تیزی سے ٹیکسی میں سوار ہو گئے۔

"کاش ڈریکولا! تم نے یہ کہا ہوتا کہ کھانا حاضر ہے۔ بڑی بڑی بھوک لگی ہے۔" شہزاد نے پشت سیٹ سے ...لگاتے ہوئے کہا۔

"شہزاد! یہ تم نے اس نقاب پوش کی انگلیوں کو کیا کیا تھا اور پھر وہ رسیاں کیسے کٹ گئیں" فیصل نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ابھی کچھ مت پوچھو۔ بھوک کی زیادتی کی وجہ سے میری یادداشت، عقل اور سب کچھ غائب ہے۔ کھانا کھا کر بتاؤں گا" شہزاد نے جواب دیا اور فیصل نے بُرا سا منہ بنالیا۔

ٹیکسی خاصی تیز رفتاری سے ان کے مکان کی طرف بھاگی چلی جارہی تھی۔

یہ ایک خاصا بڑا کمرہ تھا جس کے درمیان میں ایک بڑی سی میز کے گرد چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ایک کرسی خالی تھی۔

چند لمحوں بعد کمرے کی دائیں دیوار میں بنا ہوا دروازہ خودبخود کھلا اور سرخ نقاب پہنے قوی ہیکل باس کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے دائیں ہاتھ کی درمیانی دو انگلیاں جڑ سے کٹی ہوئی تھیں اور وہاں پٹی باندھی ہوئی تھی۔ نقاب میں سے نظر آنے والی آنکھیں وحشت اور غصے سے سرخ ہورہی تھیں۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا میز کے قریب آیا اور پھر خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ پہلے سے بیٹھے ہوئے چاروں آدمی بڑے غور سے باس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"چیف باس کا حکم آیا ہے کہ آپریشن دو روز میں مکمل کرلیا جائے۔" نقاب پوش نے بھیڑیئے کی طرح غراتے ہوئے کہا۔

"باس! ابھی تک تو ٹارگٹ مکمل نہیں ہوتے پھر کس طرح آپریشن مکمل ہوسکتا ہے۔" باس کے قریب بیٹھے ہوئے ایک نوجوان نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"میں نے چیف باس سے یہ بات کہی تھی مگر وہ ان دونوں لڑکوں کی وجہ سے شدید تشویش میں مبتلا ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ اس سے قبل کہ مشن کی بھنک حکومت کے کانوں میں پڑے، مشن مکمل ہو جانا چاہیئے۔" باس نے سرد لہجے میں کہا

"ٹھیک ہے۔ اگر باس کا یہ حکم ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ ان لڑکوں کے متعلق کیا حکم ہے۔" دوسرے نوجوان نے کہا۔

"چیف باس نے حکم دیا ہے کہ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر ان لڑکوں کو تلاش کرکے گولی مار دی جائے اور ان کی لاشیں مشن مکمل ہونے تک غائب کردی جائیں۔" باس نے کہا۔

"پھر اب آپ نے کیا پلان بنایا ہے؟" تیسرے

نوجوان نے کہا۔

"میرا پلان یہ ہے کہ نمبر ون اور نمبر ٹو ان لڑکوں کو ختم کرنے کا مشن مکمل کریں اور نمبر تھری اور نمبر فور ٹارگٹ کور کریں۔ جیسے ہی نمبر ون اور نمبر ٹو اپنے مشن میں کامیاب ہوں گے۔ مین آپریشن شروع کردیا جائے گا۔" باس نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے باس! ہم ان دونوں لڑکوں کو زیادہ سے زیادہ دو گھنٹوں میں ختم کر دیں گے۔ آپ بے فکر رہیں۔" نمبر ون نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب آپ اس سلسلے میں اپنی مزید پلاننگ بنالیں۔ لڑکوں کو بہرحال ختم کرنا ہے اور یہ خیال رہے کہ ان کی لاشیں مین آپریشن سے پہلے منظرعام پر نہیں آنی چاہئیں۔" باس نے کہا اور پھر وہ اٹھ کر واپس دروازے کی طرف چل دیا۔ میز کے گرد بیٹھے ہوئے چاروں آدمی دو دو کی ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔

نمبر ون اور نمبر ٹو فیصل اور شہزاد کے خاتمے کے لیے تفصیلی پروگرام تیار کرنے میں مصروف

ہو گئے جب کہ نمبر عقری اور نمبر فور اسلحہ کے گوداموں اور اسلحے کی سپلائی کے سلسلے پر پروگرام بنانے لگے۔

شہزاد نے اس وقت بڑی سخت نظروں سے ڈریکولا کو دیکھا جب اس نے یہ اعلان کر دیا کہ نہ صرف کھانا ختم ہو گیا ہے بلکہ باورچی خانے میں موجود تمام خام مال بھی ختم ہو چکا ہے۔

شہزاد گذشتہ ایک گھنٹے سے مسلسل کھا رہا تھا اور ڈریکولا باورچی خانے اور شہزاد کے کمرے تک کھانا پہنچانے میں بھاگ بھاگ کر بالکل ہی تھک گیا تھا۔ فیصل خاموش بیٹھا شہزاد کو کھاتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سخت بیزاری کے آثار نمایاں تھے۔ چنانچہ جیسے ہی ڈریکولا نے کھانا ختم ہونے کا اعلان کیا تو اس نے اطمینان کا ایک طویل سانس لیا۔

"ہاں اب پوچھو کیا پوچھ رہے تھے"؟ شہزاد نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"میں پوچھ رہا تھا کہ آخر تمہیں اس طرح سیدھے سیٹھ اکرم کے کمرے میں دوڑے جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور دوسری بات یہ کہ تم نے ہاتھ کی انگلیوں کو کیا کیا تھا؟ اور تیسری بات یہ کہ تم اپنے بندھے ہوئے ہاتھ خود ہی کھولنے میں کیسے کامیاب ہو گئے؟" فیصل نے پے در پے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"یار! تم نے اتنے ڈھیر سارے سوالات پوچھ لیے ہیں۔ اگر میں سب کے جواب دینے بیٹھ گیا تو اب تک کھایا ہوا تمام کھانا ہضم ہو جائے گا اور مجھے پھر بھوک لگ جائے گی" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بکواس مت کرو۔ سیدھی طرح میرے سوالوں کا جواب دو۔ کسی دن مجھے غصہ آگیا تو چار دن تک فاقہ کرنے پر مجبور کر دونگا" فیصل نے لہجے کو غصیلا بناتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے یہ غضب نہ کرنا۔ تم چار دنوں کی

بات کر رہے ہو۔ میرے لیے ایک وقت کا فاقہ بھی ناقابل برداشت ہے" شہزاد نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"تو پھر بتاؤ جلدی" فیصل نے شہزاد کو دھمکاتے ہوئے کہا۔

"یار فیصل! سیٹھ اکرم کے کمرے میں صرف اُسے دھمکانے گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اُسے باس کا پیغام دونگا تو وہ باس سے بات کریگا یا کوئی آدمی بھیجے گا یا خود دوڑا جائے گا۔ اس طرح ہمیں ان کے ہیڈکوارٹر کا پتہ معلوم ہو جائے گا اور پھر ہم پولیس کو کہہ کر ان کے ہیڈکوارٹر پر چھاپہ مروا دیں گے اور قصہ ختم ہو جائے گا مگر وہاں جونی آن ٹپکا۔ پھر میں اس کے ساتھ خاموشی سے اس لیے ہیڈکوارٹر چلا گیا کہ چلو اس طرح ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا" شہزاد نے کہا۔

"اگر ڈریکولا وہاں نہ آتا تو ہم وہاں سے کیسے نکلتے"؟ فیصل نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"یہ تو خیر وقت بتاتا۔ میرے ذہن میں ایک پلان موجود تھا۔ بہرحال اب تو نکل ہی آئے۔ چاہے جس طرح بھی نکل آئے۔ اس لیے تمہارا یہ سوال

موجودہ حالات میں غیر مؤثر ہو چکا ہے۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا وہ انگلیاں کاٹنے اور تمہارے ہاتھ کھولنے کا کیا چکر تھا؟" فیصل نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"یہ تو چھوٹے موٹے شعبدے ہوتے ہیں جو میں کالج کی لیبارٹری میں تیار کرتا رہتا ہوں۔" شہزاد نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور پھر جیب سے ایک پتلا سا دستانہ نکال کر دکھاتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھو! یہ دستانہ بالکل انسانی کھال کی مانند ہے۔ میں نے اس دستانے کو بازار سے خرید کر اس میں کچھ تبدیلیاں کی ہیں۔ دیکھو ان کے اندر کی طرف ایک جھلی ہے جس کے اندر ایک چھوٹی سی سوئی لگی ہوئی ہے۔ جیسے ہی اس کو دبایا جائے سوئی فوراً باہر نکل آتی ہے۔ اس سوئی کی نوک پر میں نے ایک خاص قسم کا کیمیکل لگایا ہوا ہے جو ویسے تو بے ضرر ہے مگر اس کی خاصیت یہ ہے کہ یہ خون میں ملتے ہی ایک گھنٹے کے لیے خون کا رنگ نیلا کر دیتا ہے۔ میں نے سیٹھ اکرم کے لیے میں باندھتے ہوئے یہ دستانہ ہاتھ میں چڑھا لیا تھا۔ چنانچہ اس کی توجہ ہٹانے کے لیے میں نے اسے اپنی انگلیاں دبانے کے لیے کہا تو سوئی اس کی دونوں انگلیوں میں چبھ گئی اور اس کی ہتھیلی کا رنگ نیلا پڑ گیا۔ اب یہ اس کی حماقت تھی کہ اس نے اسے زہر سمجھا اور حفظ ماتقدم کے طور پر کہ یہ زہر پورے جسم میں نہ پھیل جائے، اس نے اپنی دونوں انگلیاں خود ہی کاٹ لیں۔ البتہ یہ اس کا ایک فائدہ ضرور ہو گیا ہے کہ اس طرح ہمیں اس کے پہچاننے میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اب رہا میرے رسیاں کھولنے کا مسئلہ تو وہ بھی اسی دستانے میں پوشیدہ ہے۔ اس دستانے میں جو ناخن بنائے گئے ہیں ان کے پہلے سرے پر انتہائی تیز بلیڈ لگے ہوتے ہیں۔ ان بلیڈوں کی مدد سے ایک لمحے سے بھی کم عرصے میں رسیاں کٹ گئیں اور میرے ہاتھ آزاد ہو گئے۔" شہزاد نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"کمال ہے تم نے مجھے بتایا بھی نہیں اور یہ دستانے ایجاد بھی کر ڈالے اور نہ صرف ایجاد

کر ڈالے بلکہ انہیں کامیابی سے استعمال بھی کر لیا۔" فیصل نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"بھئی کھانا کھانے سے جو عقل مجھے ملتی ہے میں اسے استعمال بھی کرتا ہوں۔ تم کھانا ہی اتنا کھاتے ہو کہ اس کی روشنی معدے سے نکل کر عقل تک پہنچتی ہی نہیں۔ اس لیے مجبوری ہے۔" شہزاد نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"تمہاری یہ بات طب کے اصولوں کے سراسر خلاف ہے۔ طب کے ماہرین کے نکتہ نظر سے زیادہ کھانے والا کند ذہن ہو جاتا ہے جبکہ تم۔" فیصل نے ہنستے ہوئے فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔

"اپنے اپنے نظریات ہیں۔ بہرحال میں نے تو یہی تجربہ کیا ہے کہ کھانا میری عقل کے لیے پٹرول کا کام کرتا ہے۔" شہزاد نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا اب یہ بتاؤ کہ اس سلسلے میں مزید کیا کرنا ہے؟ یہ تو مجھے کوئی لمبا ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔" فیصل نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں! معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر

مشن صرف اسلحے کی سمگلنگ کا ہوتا تو باس مشن وغیرہ کی بات نہ کرتا۔" فیصل نے رائے دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں! اس کے منہ سے مشن کا لفظ سن کر ہی میں نے یہ اندازہ لگایا ہے۔ بہرحال اب اس ہیڈکوارٹر پر چھاپہ مارنا تو فضول ہی ثابت ہوگا کیونکہ ہمارے فرار ہوتے ہی انہوں نے اُسے خالی کر دیا ہوگا۔ اب ایک ہی صورت ہے کہ ہم کسی طرح سیٹھ اکرم کی نگرانی کریں اور اس کے ذریعے ہیڈکوارٹر تک جا پہنچیں۔ یا پھر دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہم سیٹھ اکرم کو کسی طرح اغوا کر کے یہاں لے آئیں اور اس سے ہیڈکوارٹر کے علاوہ تمام مشن کی تفصیلات پوچھ لیں۔" شہزاد نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہاری عقل بہت تیزی سے پٹرول کھاتی ہے۔ مسٹر عقلمند! تمہارا کیا خیال ہے کہ سیٹھ اکرم ابھی تک اسی ہوٹل میں بیٹھا اپنے اغوا کر لیے جانے کا انتظار کر رہا ہوگا۔" فیصل نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں یار! واقعی تم سچ کہہ رہے ہو۔ مجھے تو اس کا خیال ہی نہیں آیا۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم جہاں سے چلے تھے وہیں پہنچ گئے ہیں"۔ شہزاد نے مسمسی سی صورت بناتے ہوئے کہا۔

"ایک اور بات میرے ذہن میں آئی ہے۔ ہم باس کے پنجے سے نکل کر بڑے آرام سے گھر آکر بیٹھ گئے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ہم مار دھاڑ سے بھرپور فلم دیکھ کر آئے ہوں۔ جہاں تک میرا خیال ہے باس ہمارے فرار ہونے پر انگاروں پر لوٹ رہا ہوگا اور اس کے آدمی ہمیں مارنے کے لیے پاگل کتوں کی طرح ہماری تلاش کر رہے ہوں گے"۔ فیصل نے کہا۔

"یار کیا بات ہے؟ کھانا میں نے کھایا ہے اور عقل تمہاری چل پڑی ہے۔ ضرور یہ کوئی ڈریکولا کا چکر ہے۔ تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ کسی بھی لمحے ہمیں تلاش کر سکتے ہیں۔ اور اس بار انہوں نے ہمیں دیکھتے ہی گولی مار دینی ہے"۔ شہزاد نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"تو پھر اب کیا کیا جائے"؟ فیصل نے پوچھا۔

"یہ ہمارے لیے ایک موقع ہے۔ اگر ہم ہوشیار رہیں تو ہم حملہ آوروں میں سے کسی ایک کو پکڑ سکتے ہیں اور پھر اس کے ذریعے ہم ان کا سراغ لگا سکتے ہیں"۔ شہزاد نے جواب دیا۔

"بالکل ٹھیک۔ میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ مگر اس کے لیے ہمیں کوئی واضح پلان بنانا چاہیے"۔ فیصل نے کہا۔

"ڈریکولا کو ان لوگوں نے نہیں دیکھا۔ اس لیے وہ ڈریکولا پر شک نہیں کر سکیں گے ورنہ ہم ڈریکولا کو چارہ بنا کر آگے کر دیتے۔ اب ایک ہی صورت ہے کہ تم چارہ بنو اور میں اور ڈریکولا تمہاری نگرانی کریں اور اس طرح ہم ان کے کسی بھی آدمی پر آسانی سے ہاتھ ڈال سکتے ہیں"۔ شہزاد نے ..

"مجھے چارہ بننے میں کوئی اعتراض نہیں۔ مگر ایسا نہ ہو کہ تم کھانے میں مصروف ہو جاؤ اور ڈریکولا تمہیں کھانا پہنچانے میں لگ جائے اور میں اگلے جہان کے سفر پر روانہ کر دیا جاؤں"۔ فیصل نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے نہیں یار! ایسی بھی کیا بے اعتمادی ہے۔

تمہاری خاطر تو میں دس دن بھی بھوکا رہ سکتا ہوں"۔ شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں! مجھے معلوم ہے کہ تم بھوکے رہ سکتے ہو۔ بہرحال وطن کی خاطر میں اپنی جان پر بھی کھیل سکتا ہوں۔ مگر اب اس سلسلے میں پروگرام کیا ہوگا؟" فیصل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"پروگرام یہ ہے کہ تم گھر سے نکل کر بازار کی سیر کرو۔ اوّل تو وہ کھلے بازار میں تمہیں گولی مارنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔ دوسری بات یہ کہ وہ تمہارے ساتھ مجھے بھی تلاش کریں گے۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ وہ تمہارا تعاقب کریں تو اِس طرح تم انہیں گھما پھرا کر اس مکان میں لے آؤ۔ اور دوسری صورت یہ کہ وہ تمہیں اغوا کرکے کہیں لے جائیں اور اس طرح ہم دونوں تمہارے تعاقب میں وہاں تک پہنچ جائیں"۔ شہزاد نے پروگرام کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"ہاں! یہ پروگرام ٹھیک رہے گا"۔ فیصل نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ وہ

خوامخواہ ہمارے سائے شہر میں دوڑتے پھریں گے"۔ شہزاد نے کہا۔ اور پھر اس نے آواز دے کر ڈریکولا کو بلایا اور اُسے تمام پروگرام سمجھانے لگا۔

"سمجھ گئے"۔ شہزاد نے آخر میں پوچھا۔

"جی آقا"۔ ڈریکولا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"بس دھیان رکھنا۔ فیصل کی زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہوگی"۔ شہزاد نے سنجیدگی سے کہا۔

"جی سرکار" ڈریکولا نے بڑے مطمئن لہجے میں کہا جیسے فیصل کی زندگی کا داؤ پر لگنا کوئی نئی بات نہ ہو۔

"آؤ اب چلیں۔ تم پہلے باہر نکلو۔ اور ہم تھوڑا فاصلہ رکھ کر تمہارا تعاقب کریں گے"۔ شہزاد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری عقل میرے خیال میں بالکل ہی فیل ہوچکی ہے۔ ارے بھائی! اگر تم اسی حالت میں باہر نکلے تو وہ لوگ فوراً ہی تمہیں پہچان جائیں گے۔ پہلے تم اپنے حلیے تبدیل کرلو۔ تاکہ تم پہلی نظر میں پہچانے نہ جاسکو"۔ فیصل نے کہا۔

"ہاں یار! واقعی تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ اچھا

تم یہیں بیٹھو، میں ذرا اپنا حلیہ تبدیل کر آؤں
شہزاد نے شرمندہ لہجے میں کہا اور پھر اُٹھ کر
اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ دونوں چست لباس میں ملبوس تھے ان کے
قد خاصے لمبے تھے اور ساتھ ہی جسم بھی خاصا
مضبوط تھا۔ دیکھنے میں دونوں کوئی پیشہ ور باکسر لگتے
تھے۔ ان کے کوٹوں کی جیبوں کے کونے اُبھرے ہوئے
تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے کوٹوں میں
ریوالور موجود ہیں۔ وہ بظاہر بڑے اطمینان سے بازار
میں چل رہے تھے۔ مگر ان دونوں کی نظریں بڑے
چوکنے انداز میں لوگوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یہ
دونوں وہی آدمی تھے۔

چلتے چلتے اچانک ان میں سے ایک چونک پڑا۔
اس کی نظریں سڑک پار ایک دکان کے باہر شوکیش
کے سامنے کھڑے ہوئے لڑکے پر جمی ہوئی تھیں۔

"مارشل! اُدھر دیکھو۔ ہم نے اُسے ڈھونڈ لیا ہے"۔ اس نے تیز سرگوشیانہ انداز میں اپنے ساتھی سے مخاطب ہو کر کہا۔

"کہاں ہے وہ؟" دوسرے آدمی نے چونک کر کہا۔

"فی الحال تو ایک ہی نظر آیا ہے۔ وہ دیکھو سامنے البرٹ برادرز کے شوکیش کے سامنے"۔ پہلے نے کہا۔

"ہاں! یہ وہی ہے مگر اس کا دوسرا ساتھی"۔ دوسرے نے تیز لہجے میں کہا۔

"کہیں قریب ہی ہوگا"۔ پہلے نے کہا۔

"وہ دیکھو وہ چل پڑا ہے"۔ مارشل نے کہا۔ اس کی نظریں بڑے چوکنے انداز میں لڑکے کے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"اب کیا کریں؟ کیا اسے گولی مار دیں؟" دوسرے نے کہا۔

"نہیں فرید! بھرے بازار میں گولی چلا کر ہم بچ نہیں سکتے اور پھر باس کا حکم ہے کہ لاش بھی منظرِ عام پر نہ آئے۔ دوسری بات یہ کہ اس کے دوسرے ساتھی کو بھی تلاش کرنا ہے۔ لہٰذا بہتر یہی

ہے کہ ہم فی الحال اس کا تعاقب کریں"۔ مارشل نے کہا اور فرید نے سر ہلا دیا۔ پھر وہ اس لڑکے جو فیصل تھا کے تعاقب میں لگ گئے۔

فیصل بڑے اطمینان سے بازار کی سیر کرتا پھر رہا تھا۔ شروع شروع میں اس نے شہزاد اور ڈریکولا کو دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ مگر یہ دونوں اُسے کہیں نظر نہ آئے تو اس نے ان کا خیال دماغ سے جھٹک دیا۔ وہ سولجر بازار سے ہو کر جیسے ہی مین مارکیٹ کی طرف مڑا۔ اچانک اس کی نظریں سڑک کی دوسری طرف موجود ان دونوں آدمیوں پر پڑ گئیں اور اس نے ایک نظر میں ان دونوں کو پہچان لیا۔ وہ دونوں وہی تھے جو نقاب پوش کے اذیت خانے میں موجود تھے۔ پھر اس نے اِدھر اُدھر گھوم پھر کر چیک کرلیا کہ وہ واقعی اس کا تعاقب کر رہے تھے۔

"بس ٹھیک ہے اب گھر چلنا چاہیے"۔ فیصل نے بڑبڑاتے ہوئے اپنے آپ سے کہا اور پھر وہ اس سڑک پر مڑ گیا۔ جدھر اس کا گھر تھا۔

"یہ کیا کرتا پھر رہا ہے"؟ مارشل نے فرید سے

مخاطب ہوکر کہا۔

"بظاہر تو آوارہ گردی ہی نظر آتی ہے۔ ہوسکتا ہے۔ اس کے ذہن میں اس کا کوئی مقصد ہو۔" فرید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ارے یہ تو اس سرخ رنگ کے مکان میں داخل ہورہا ہے۔ اس نے تالا بھی خود ہی کھولا ہے اس کا مطلب ہے کہ یہ مکان میں اکیلا ہوگا۔" مارشل نے چونک کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ کام بن گیا۔ ہم اسے اندر چل کر قابو کرلیتے ہیں۔ تم اسے بیہوش کرکے لے جاؤ۔ میں اس کے دوسرے ساتھی کا انتظار کروں گا۔ وہ یقیناً یہیں واپس آئے گا۔" فرید نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آؤ چلیں۔" مارشل نے کہا۔ اور پھر وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے مکان کے دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

مکان کا دروازہ بند تھا۔ مارشل نے ایک لمحے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر زور سے دروازہ پر دستک دی۔ چند لمحوں بعد اندر سے کسی کے

قدموں کی آواز سنائی دی۔ اور دوسرے لمحے دروازہ کھل گیا۔ دروازے پر فیصل نظر آرہا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی وہ دونوں پوری تیزی سے فیصل کو دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہوگئے۔ مارشل نے مڑ کر دروازہ بند کردیا۔

"کک کون ہو تم"؟ فیصل نے خوف زدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"اتنی جلدی ہمیں بھول گئے"۔ فرید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں سائلنسر لگے ریوالور نظر آرہے تھے۔ اور چہرے پر فتحمندانہ مسکراہٹ۔

"تم کیا چاہتے ہو"؟ فیصل کے لہجے میں ابھی تک خوف تھا۔

"چاہتے تو تمہاری موت ہیں۔ مگر فی الحال بے ہوش کرکے اغوا کرنے پر ہی انحصار کریں گے"۔ مارشل نے سخت لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"تمہارا دوسرا ساتھی کہاں ہے"؟ اس سے پہلے کہ فیصل کوئی جواب دیتا۔ فرید نے سوال کردیا۔

"وہ اپنے ابو کے گھر گیا ہوا ہے۔ کل آ جائیگا۔" فیصل نے جواب دیا اس کے لہجے میں خوف کی

لرزش نمایاں تھی۔

"تم اس کے ابو کے گھر کا پتہ جانتے ہو؟" مارشل نے پوچھا۔

"ہاں وہ قریبی شہر لاکھڑی میں رہتے ہیں۔ وہاں کے بڑے زمیندار ہیں۔ ان کا نام فضل حسین ہے۔" فیصل نے جلدی جلدی بتایا۔ جیسے اس کا خیال ہو کر اس طرح بتانے پر وہ اس کی جان چھوڑ دیں گے۔

"ٹھیک ہے۔ ہم اُسے وہیں سے اٹھا لیں گے فی الحال تم چلو۔" مارشل نے ریوالور کا رخ فیصل کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"کک کہاں چلوں"؟ فیصل نے بوکھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہمارے ساتھ۔ پہلے میرا خیال تھا کہ تمہیں بیہوش کرکے لے جایا جائے مگر اب میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ تم یونہی ہمارے ساتھ چلوگے۔ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی یا کسی کو اشارہ کرنے کی کوشش کی تو گولی مار دیں گے۔" مارشل نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

"مم مگر" فیصل نے کچھ کہنا چاہا مگر دوسرے لمحے

قریب کھڑے فرید کا ہاتھ پوری قوت سے اس کے گال پر پڑا اور وہ چیخ مار کر الٹ کر فرش پر جاگرا۔ اس کی ناک سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے۔

"یہ لو میرا رومال اور خون صاف کرو۔ آئندہ اگر کوئی فضول سوال کیا تو چمڑی ادھیڑ دوں گا۔" فرید نے جیب سے رومال نکال کر فیصل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

فیصل نے خاموشی سے رومال لیکر ناک صاف کی اور پھر خاموش کھڑا ہوگیا۔ اس کے گال پر انگلیوں کے نشان اُبھر آئے تھے۔

"مارشل! تم پہلے باہر جاؤ اور دیکھو کہ کوئی ہمیں چیک تو نہیں کررہا۔" فرید نے مارشل سے مخاطب ہوکر کہا اور مارشل دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ چند لمحوں بعد اس کی آواز سنائی دی۔

"آجاؤ۔"

"چلو لڑکے۔ اور خبردار کوئی حرکت کی تو۔" فرید نے سخت لہجے میں کہا اور فیصل خاموشی کے ساتھ دروازے کی طرف چل پڑا۔

وہ دونوں فیصل کو لیے سڑک پر آگئے۔ ان

دونوں کے ہاتھ جیبوں میں تھے اور وہ بیحد چوکنے معلوم ہو رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد انہوں نے ایک خالی ٹیکسی کو روکا اور پھر فیصل کو ہمراہ لیے اس میں سوار ہوگئے۔

"شیراز کالونی"۔ مارشل نے ٹیکسی ڈرائیور سے مخاطب ہو کر کہا اور ٹیکسی ڈرائیور نے سر ہلا کر ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

ٹیکسی مختلف سڑکوں سے گزرتی ہوئی جب شہر کے آخری سرے پر نئی بننے والی شیراز کالونی میں داخل ہوئی تو مارشل نے ایک چوک کے قریب ٹیکسی روکنے کے لیے کہا۔

ٹیکسی رکتے ہی وہ فیصل کے ہمراہ نیچے اترے اور پھر مارشل نے جیب سے ایک نوٹ نکال کر ٹیکسی ڈرائیور کے حوالے کردیا اور فیصل کو ہمراہ لیکر آگے بڑھ گئے۔

جب ٹیکسی مڑکر اندھیرے میں غائب ہوگئی تو مارشل نے قدم آگے بڑھایا اور کافی دور ایک موڑ مڑکر وہ ایک نئی بنی ہوئی کوٹھی کے گیٹ

پر پہنچ گئے۔

مارشل نے آگے بڑھکر گیٹ پر مخصوص انداز میں دستک دی۔ چند لمحوں بعد پھاٹک کی چھوٹی کھڑکی کھلی اور ایک نوجوان نے باہر جھانکا پھر مارشل اور فرید کو دیکھکر وہ ایک طرف ہٹ گیا۔

"اندر چلو"۔ فرید نے فیصل کو دھکیلتے ہوئے کہا اور فیصل کوٹھی کے اندر داخل ہوگیا۔ اندر داخل ہوکر مارشل نے فیصل کو بازو سے پکڑا اور پھر تقریباً گھسیٹتے ہوئے اُسے کوٹھی کی اندرونی عمارت کی طرف لے چلے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک بڑے سے کمرے میں موجود تھے۔ فرید فیصل کے ساتھ اسی کمرے میں کھڑا رہا جبکہ مارشل باہر نکل گیا۔ کافی دیر بعد دروازہ ایک بار پھر کھلا اور اس بار مارشل کے ہمراہ نقاب پوش باس اندر داخل ہوا۔

"ہوں تو یہ لڑکا قابو آگیا۔ دوسرا کہاں ہے؟" باس نے سخت لہجے میں کہا۔

"اس لڑکے کے کہنے کے مطابق وہ لاکھڑی میں اپنے باپ سے ملنے گیا ہوا ہے"۔ مارشل نے جواب دیا

"ٹھیک ہے۔ اسے ختم کر کے اس کی لاش تہہ خانے میں ڈال دو اور اسے تلاش کر لاؤ" باس نے بڑے سخت لہجے میں کہا۔

اور دوسرے لمحے مارشل نے انتہائی پھرتی سے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ پھر اس سے پہلے کہ فیصل سنبھلتا۔ کمرہ گولی کے دھماکے اور انسانی چیخ سے گونج اٹھا۔

شہزاد اور ڈریکولا ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر فیصل کی نگرانی کر رہے تھے۔ وہ اس سے کافی فاصلے پر تھے۔ ڈریکولا تو اپنی اصل صورت میں تھا کیونکہ مجرم اسے نہیں پہچانتے تھے۔ البتہ شہزاد نے صورت بدل رکھی تھی۔ اس نے سر پر سنہرے رنگ کے گھنگھریالے بالوں والی وگ پہنی ہوئی تھی۔ آنکھوں پر سفید شیشوں اور سنہرے فریم والی عینک تھی اور اس کے دائیں گال پر ایک ٹیپ اس طرح چپکی ہوئی تھی جیسے وہاں زخم ہو۔ اس حلیے میں وہ کافی بدل گیا تھا اور غور کئے بغیر اس کی اصلیت کا پتہ نہیں چلایا جاسکتا تھا۔

اور پھر ان دونوں نے بھی فیصل کا تعاقب کرنے

والے مارشل اور فرید کو چیک کرایا۔ جب مارشل اور فرید فیصل کے پیچھے مکان میں داخل ہوئے تو ڈیکولا اور شہزاد ان کے قریب ہی موجود تھے۔

"کیا خیال ہے آقا! ان دونوں کو یہیں قابو نہ کرلیا جائے۔" ڈیکولا نے شہزاد سے مخاطب ہوکر کہا۔

"نہیں انتظار کرو۔ وہ ضرور فیصل کو اغوا کرکے لے جائیں گے۔ ہمیں ان کا تعاقب کرنا ہے۔" شہزاد نے دبے لہجے میں کہا۔

اور ڈیکولا سر ہلاتا ہوا ایک طرف چلا گیا البتہ اس نے پچھلی سڑک پر کھڑے ہوکر ایک خالی ٹیکسی روک لی اور پھر ٹیکسی ڈرائیور کو بھاری رقم دیکر اس بات پر بھی آمادہ کرلیا کہ وہ اس کے حکم کی تعمیل کریگا۔ ڈیکولا کے کہنے پر ڈرائیور نے گاڑی ایک دیوار کی آڑ میں کھڑی کرلی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب مارشل اور فرید فیصل کو ہمراہ لیکر گھر سے باہر نکلے اور ٹیکسی پر سوار ہوکر آگے بڑھے تو ڈیکولا نے شہزاد کو ٹیکسی کے متعلق بتایا۔ شہزاد ڈیکولا کی عقلمندی پر بے حد خوش ہوا ورنہ انکے تو یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ مجرم ٹیکسی پہ سفر کریں

گے اگر ڈیکولا نے یہ عقلمندی نہ کی ہوتی تو مجرم فیصل کو لے جانے میں کامیاب ہو جاتے اور وہ دونوں ہاتھ ملتے رہ جاتے۔ بہرحال ڈیکولا نے ٹیکسی ڈرائیور کو انتہائی احتیاط سے کام لینے کا حکم دیکر فیصل والی ٹیکسی کا تعاقب شروع کردیا۔

جب فیصل والی ٹیکسی شیراز کالونی والی سڑک پر مڑی تو ڈیکولا نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"تیز چلاکر انہیں کراس کرکے شیراز کالونی چلو۔"

اور ڈرائیور نے ٹیکسی کی رفتار تیز کردی۔ چند لمحوں میں وہ فیصل والی ٹیکسی کو پیچھے چھوڑ گئے۔ شیراز کالونی کے درمیانی موڑ پر جاکر ڈیکولا اور شہزاد ٹیکسی سے اترے اور ڈیکولا نے ڈرائیور کو آگے جاکر ٹیکسی موڑنے کے لیے کہا اور ٹیکسی ڈرائیور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

وہ دونوں ایک بڑے سے درخت کی آڑ میں چھپ گئے۔ تھوڑی دیر بعد دور سے فیصل والی ٹیکسی آتی دکھائی دی اور پھر وہ عین اسی درخت کے نیچے آکر رکی۔ چاروں طرف اندھیرا پھیل چکا تھا اس لیے وہ دونوں ان کی نظروں سے محفوظ رہے۔

ٹیکسی کے جانے کے بعد وہ ان کے تعاقب میں چل پڑے۔ پھر جب مارشل، فرید اور فیصل اس کوٹھی میں داخل ہوئے تو وہ دونوں کوٹھی کی پشت پر آگئے۔

"جلدی کرو فیصل خطرے میں ہے۔" شہزاد نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

ڈریکولا نے کوٹھی کی پچھلی دیوار کی بلندی کا ایک نظر میں جائزہ لیا اور پھر اس نے پیچھے ہٹ کر پوری قوت سے جمپ لگایا اور پھر وہ کسی پرندے کی طرح اڑتا ہوا دیوار پر پہنچ گیا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے کوٹھی کے اندر جھانکا۔ پھر وہ دیوار پر جھک گیا اور اس نے اپنا ہاتھ نیچے لٹکا لیا۔ شہزاد نے بھی چھلانگ لگائی اور پھر اس نے اچھل کر ڈریکولا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ڈریکولا نے ایک زور دار جھٹکے سے اُسے اوپر اٹھا لیا۔ پھر دو ہلکے سے دھماکے ہوئے اور وہ دونوں کوٹھی کے اندر کود گئے۔ یہ کوٹھی کا بائیں باغ تھا۔ وہ چند لمحے باڑ کے پیچھے دبکے رہے۔ انہیں خطرہ تھا کہ کوٹھی میں کتے نہ ہوں مگر جب چند لمحوں تک کسی کتے کی آواز سنائی نہ

دی تو وہ دونوں رینگتے ہوئے کوٹھی کی عمارت کی طرف بڑھے۔ پچھلی طرف بہت سے پائپ زمین سے چھت پر جا رہے تھے۔ ڈریکولا اور شہزاد نے ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر وہ تیزی سے پائپوں پر چڑھتے چلے گئے۔ جلد ہی وہ چھت پر پہنچ گئے۔ عمارت میں خاموشی طاری تھی۔ نقاب پوش باس نے یہ کوٹھی ہنگامی طور پر حاصل کی تھی۔ اس لیے یہاں کوئی لمبے چوڑے انتظامات نہیں کئے گئے تھے۔

چھت پر پہنچ کر وہ دونوں تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھے اور پھر بڑی احتیاط سے سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔ درمیان میں ایک بالکونی تھی جس میں پچھلے کمروں کے بڑے بڑے روشندان تھے۔ وہ دونوں روشندانوں کی طرف کھسکتے چلے گئے۔ روشندان درمیان سے کھلے ہوئے تھے شہزاد نے روشندان کے کنارے سے جھانکا تو اُسے کمرے میں فیصل ایک آدمی کے ساتھ کھڑا نظر آیا۔ یہ انہی دو آدمیوں میں سے ایک تھا جو فیصل کو لے کر آئے تھے۔ پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے دروازہ کھلا اور نقاب پوش باس دوسرے آدمی کے ساتھ اندر

داخل ہوا۔ باس کی آنکھوں میں شدید غصہ نمایاں تھا
شہزاد نے ڈریکولا کو کہنی ماری اور ڈریکولا نے
سر ہلا دیا۔ شہزاد نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک
چھوٹا سا پستول نکال لیا۔ یہ زہریلی سوئیوں والا پستول
تھا جو شہزاد کی اپنی ایجاد تھی۔

پھر جب باس نے فیصل کے قتل کا حکم دیا
تو شہزاد نے ریوالور والا ہاتھ بلند کیا اور دوسرے
لمحے اس نے ٹریگر دبا دیا۔ اس کے پستول سے نکلنے
والی سوئی ٹھیک مارشل کی پیشانی پر پڑی اور عین
اسی لمحے مارشل نے بھی ٹریگر دبا دیا تھا مگر اس
کے گولی چلانے سے ٹھیک ایک سیکنڈ پہلے اس کی
پیشانی میں سوئی گھسی تھی اس لیے وہ چیخ مار کر
الٹ گیا اور اس کے ریوالور سے نکلنے والی گولی
چھت کا پلاسٹر پھاڑ کر واپس فرش پر آگری۔

اور پھر اس سے پہلے کہ باس اور فرید سنبھلتے
ڈریکولا نے روشندان میں سے نیچے چھلانگ لگا دی اور
وہ اڑتا ہوا ٹھیک نقاب پوش باس کے اوپر جا گرا۔
اسی دوران فرید نے ریوالور سیدھا کیا ہی تھا کہ قریب
کھڑے فیصل نے انتہائی پھرتی سے اس کے ہاتھ پر

ہاتھ مارا اور ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر پڑ گیا
اسی لمحے شہزاد نے ایک بار پھر ٹریگر دبا دیا اور
دوسری سوئی فرید کے حلق میں گھستی چلی گئی اور
وہ فرش پر تڑپنے لگا مگر اُسے دو تین سیکنڈوں
سے زیادہ تڑپنے کی مہلت نہ مل سکی۔ اور پھر شہزاد
نے اپنا جسم سمیٹ کر روشندان میں سے گزارا اور
پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے روشندان کی سلاخ
پکڑی اور پھر نیچے چھلانگ لگا دی۔

ادھر ڈریکولا اور باس میں خوفناک جنگ جاری تھی
باس خاصا طاقتور اور لڑائی بھڑائی کے فن میں ماہر
تھا۔ مگر اس کے مقابل میں ڈریکولا تھا چنانچہ ایک
بار اس کے داؤ پر چڑھ گیا۔ ڈریکولا نے انتہائی
پھرتی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے اور پھر پوری
قوت سے انہیں جھٹکا دے کر پیچھے کی طرف موڑ دیا۔
دو کڑاکوں کی آواز سنائی دی۔ بے اختیار چیخ مارنے
کے لیے باس کا منہ کھلا مگر ڈریکولا نے پوری قوت
سے اس کا منہ دبا دیا اور خوفناک چیخ باس کے
حلق میں ہی دب کر رہ گئی اور وہ فرش پر بُری
طرح تڑپنے لگا۔ اس کے کندھوں کے دونوں جوڑ اتر

گئے تھے اور وہ بالکل بیکار ہو چکا تھا۔

"خبردار! اگر آواز نکالی تو گردن مروڑ دوں گا"۔ ڈریکولا نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا اور باس صرف منہ پھاڑ کر رہ گیا۔ وہ اب بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

"ڈریکولا! باہر جا کر دیکھو۔ جو بھی نظر آئے بیکار کر دینا"۔ شہزاد نے ڈریکولا سے مخاطب ہو کر کہا۔ اور ڈریکولا سر ہلاتا ہوا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

"ہاں تو جناب باس صاحب! اب آپ شرافت سے اپنا تمام منصوبہ پوری تفصیل سے بتا دو ورنہ تم جانتے ہو کہ میرا ساتھی کتنا طاقتور ہے"۔ شہزاد نے باس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ذلیل کمینے۔ تم کچھ نہیں کر سکتے۔ میرے ساتھی ابھی یہاں آنے والے ہیں"۔ باس نے کراہتے ہوئے کہا۔

"یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔ تم ابھی سب کچھ بتا دو گے"۔ شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا چاقو نکالا اور اس چاقو کے سرے پر بوتل کا کارک کھولنے والا پیچ لگا ہوا تھا۔ اس نے اس پیچ کا سرا بڑے اطمینان سے باس کے حلق پر رکھا اور پھر چاقو کے دستے پر ہلکا سا

دباؤ ڈالا تو پیچ تیزی سے گھومنے لگا اور دوسرے لمحے باس کے حلق سے خوفناک چیخ نکلی۔

"ٹھہرو ٹھہرو میں بتاتا ہوں"۔ باس نے چیخ کر کہا اور شہزاد نے چاقو ہٹا لیا۔ فیصل یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ باس کے حلق پر صرف ایک نشان پڑنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوا تھا مگر باس نے انتہائی تیزی سے منصوبے کی تمام تفصیلات بتانی شروع کر دیں اور پھر جیسے ہی وہ خاموش ہوا۔ ڈریکولا ایک نوجوان کو کمر پر لادے کمرے میں داخل ہوا اور پھر اس نے اس نوجوان کو یوں فرش پر پھینک دیا جیسے وہ آٹے کی بوری ہو۔ نوجوان بیہوش ہو چکا تھا۔

شہزاد نے جیب سے ایک چھوٹا سا بٹوہ نکالا اور پھر بٹوے کی زپ مخصوص انداز میں پیچھے کی طرف کھینچی۔ دوسرے لمحے بٹوے میں سے زوں زوں کی آواز نکلنے لگی۔ چند لمحوں بعد بٹوے میں سے ایک بھاری آواز گونجی۔

"ملٹری سیکورٹی ہیڈ کوارٹر"۔

"میں شہزاد بول رہا ہوں۔ بلیو ٹیپ ہولڈر، چیف سے بات کراؤ۔ فوراً"۔ شہزاد نے کہا۔

"اوکے! ایک لمحہ توقف کریں" دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر چند لمحوں بعد ایک بھاری مگر نرم آواز گونجی۔

"ڈائریکٹر ان چیف ملٹری سیکورٹی بول رہا ہوں۔ شہزاد بیٹے کیا بات ہے؟"

اور شہزاد نے باس سے معلوم شدہ تمام تفصیلات بتا دیں اور اس کے ساتھ کوٹھی کا نمبر بھی بتا دیا۔

"اوہ! تم وہیں ٹھہرو۔ میں خود آرہا ہوں۔ تم نے کمال کر دیا شہزاد! ملک کو ایک بھیانک ترین خطرے سے بچا لیا ہے"۔ دوسری طرف سے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا گیا اور شہزاد نے مسکراتے ہوئے ایک بار پھر زپ کھینچی اور بٹوہ جیب میں ڈال لیا۔

تھوڑی دیر بعد کوٹھی فوجیوں کے بھاری قدموں سے گونج اٹھی۔ پھر ڈائریکٹر ان چیف مسلح فوجیوں کے ساتھ کمرے میں آیا۔ پوری کوٹھی فوجیوں سے بھر گئی۔

"کمال کر دیا تم دونوں نے۔ اکیلے ہی اس خوفناک اور پراسرار گروہ سے ٹکرا گئے۔ ہمیں پہلے ہی مطلع کر دیا ہوتا"۔ ڈائریکٹر نے خوشی سے بے خود ہوتے ہوئے شہزاد اور منیل کو سینے سے چمٹا لیا۔

"نہیں جناب! ہم نے سوچا کہ آپ کو کیا تکلیف دی جائے"۔ شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور پھر ڈائریکٹر کے اشارے پر باس کو اٹھا کر لے جایا گیا اور وہ ان دونوں کو لیکر ملٹری ہیڈکوارٹر آگیا۔ ڈیکولا بھی ان کے ہمراہ تھا۔ پھر رات گئے تک پورے گروہ کی گرفتاری اور اسلحے کی برآمدگی کی خبریں آتی رہیں۔ صدر مملکت کو بھی ان کے کارنامے سے آگاہ کیا گیا اور صدر مملکت نے خود فون پر انہیں شاباش دی۔

"یہ بتاؤ بیٹے! تم نے اس باس سے سب کچھ کیسے اگلوایا۔ یہ لوگ تو انتہائی سخت جان ہوتے ہیں"۔ ڈائریکٹر نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"یہ کارنامہ اس پیچ نے سرانجام دیا ہے"۔ شہزاد نے چاقو نکال کر ڈائریکٹر کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ چاقو کے دستے پر دباؤ دینے سے پوری تیزی سے گھومنے لگتا ہے۔ مگر چونکہ اس کا سرا نہیں ہے اس لیے گوشت کے اندر نہیں گھستا مگر اس کے تیزی سے گھومنے سے نفسیاتی طور پر یہی محسوس ہوتا ہے کہ جسم کو ابھی کاٹتا ہوا اندر گھس جائے گا اور پھر اس جگہ کو ادھیڑے بغیر باہر نہیں نکلے گا۔ بس یہی

ذہنی کیفیت آدمی کو سب کچھ بتانے پر مجبور کر دیتی ہے۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب! واقعی تم دونوں انتہائی ذہین بچے ہو۔ مجھے فخر ہے کہ ہماری قوم میں تم جیسے جیالے، باہمت اور محب وطن نوجوان موجود ہیں۔" ڈائریکٹر نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"بس جناب آپ کی دعا ہے۔ فی الحال اجازت دیجئے مجھے شدید بھوک لگی ہوئی ہے۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ ویری سوری۔ مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ کھانے کا ٹائم ہوگیا ہے۔" ڈائریکٹر نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"اجی چھوڑیں۔ میرا تو ہر وقت ہی کھانے کا وقت ہوتا ہے۔ بہرحال کھانا میں گھر جاکر کھاؤں گا۔" شہزاد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

پھر ڈائریکٹر انہیں روکتا رہ گیا مگر وہ دونوں اجازت لیکر چل پڑے۔ ملٹری کی مخصوص جیپ ان تینوں کو ان کے مکان پر پہنچا گئی۔

"ڈریکولا۔" شہزاد نے گھر میں داخل ہوتے ہی کہا۔

"جی آقا۔" ڈریکولا نے سر جھکاتے ہوئے بڑے مودبانہ لہجے میں کہا۔

"کھانا۔" شہزاد نے بڑے شاہانہ انداز میں کہا۔

"ختم ہوچکا ہے۔ آپ کو پتہ تو ہے۔" ڈریکولا نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"مروا دیا یار۔" شہزاد نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کرسی پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔ اور فیصل مسکرا دیا۔

"چلو اسی ہوٹل لالہزار میں چل کر کھانا کھاتے ہیں۔ اگر پہلے والا بیرا ہوا تو یقیناً کھانے کے وقت تمہیں دیکھکر بیہوش ہو جائیگا۔" فیصل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یار ہوتا رہے بیہوش، پرواہ نہ کرو۔ اگر مجھے چند منٹ اور کھانا نہ ملا تو اس بیرے کی جگہ میں بیہوش ہو جاؤنگا۔" شہزاد نے ممسی سی صورت بناتے ہوئے کہا اور فیصل ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

ختم شد